۶

سہ ماہی کتابی سلسلہ

قندیلِ سلیماں

اپریل تا جون ۲۰۱۵ء

خانقاہِ معلیٰ حضرت مولانا محمد علیؒ، مکھڈ شریف (اٹک)

حضرت مولانا محمد قمرالدین ؒ مکھڈی۔ مکھڈی شریف (اٹک)
[م-۱۹۸۸ء]

عرس مبارک ا تا ۳ ربیع الاول شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(۶)

سہ ماہی مجلّہ

اپریل تا جون
۲۰۱۵ء

قندیلِ سلیمان

مکھڈ شریف (اٹک)

ہدیہ سالانہ پانچ سو روپے

فی شمارہ 150 روپے

سرکولیشن منیجر: فدا حسین ہاشمی   سرورق اینڈ کمپوزنگ: محمد اسحاق، اسلام آباد   تصاویر: محمد زاہد محمود
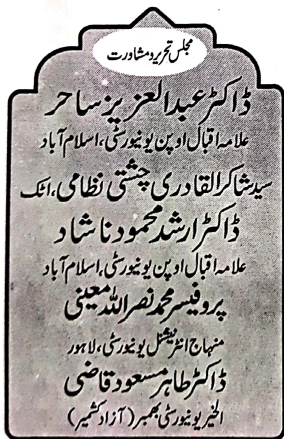
پرنٹرز/ پبلشرز:۔ نظامیہ دارالاشاعت خانقاہِ معلی حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی، مکھڈ شریف، (اٹک)

فون: 0333-5456555, 0346-8506343, 0343-5894737, 0334-8506343

ای میل: sajidnizami92@yahoo.com

فہرستِ مندرجات

گوشۂ عقیدت:

خیابانِ مضامین:

حدیقۂ شریعت:

صلی اللہ علیہ وسلم

اداریہ

صوفیا کی باتیں، صوفیا کے تذکرے کتنے حسین ہیں کہ اگر قسمت کی دیوی انسان پہ مہربان ہو اور صوفیا کی محافل میسر ہوں یا اُن کے تذکروں میں ان کی محافل پڑھنے، سننے کا شرف حاصل ہو تو انسان ان محافل میں دی جانے والی تعلیم وتربیت پر عمل پیرا ہو کر زندگی کتنی آسانی سے کرگزرتا ہے، اُسے زندگی سے پیار ہونے لگتا ہے۔ دوسروں کے لیے جینا، خدمتِ خلق کا جذبہ دل میں لیے دُکھی انسانیت کی خدمت کرنا، لوگوں کو خوشیاں اور آسانیاں تقسیم کرنا، ان کے دُکھوں کا مداوا کرنا ہی روحِ تصوف ہے۔

جب سلسلہ تصوف کے کسی بھی بزرگ کے اقوال واحوال کو انسان پڑھ رہا ہوتا ہے تو انوار وتجلیات کا ظہور ہو رہا ہوتا ہے اور انسان کچھ دیر کے لیے ہی سہی اس مادی دنیا کے چنگلوں سے اپنے آپ کو محفوظ سمجھ کر، صوفیا کی محفل میں آکر کتنا شانت ہو جاتا ہے، پوتر ہو جاتا ہے۔ اُس کے اذہان وقلوب کی کیفیات ہی بدل جاتی ہیں اور انسان زبانِ حال سے یوں گویا ہوتا ہے۔

اُن کی محفل میں آن کر دیکھو
زندگی کتنی خوبصورت ہے

''قندیلِ سلیماں'' بھی صوفیا کی خوشبو سے سجی ایک ایسی محفل کا نام ہے جس میں بزرگانِ دین کے احوال ومناقب کو قارئین کے لیے پیش کیا جاتا ہے، جیسے کہکشاں، ستاروں کو اپنے جھرمٹ میں لے کر گردوں کی زیبائش کرتی ہے اسی طرح ''قندیلِ سلیماں'' میں بھی اس دھرتی کی پاکیزہ ہستیوں کے تذکروں سے ایک گلدستہ سجا کر آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

وقت کے بدلتے رنگوں نے انسان کو اپنی گرفت میں یوں جکڑ لیا ہے کہ وہ چیختا چلاتا ہے، کوئی اس کی درد بھری پکار سننے کے لیے تیار نہیں۔ وہ فریاد کناں ہے، اسے فریادرس نہیں ملتا۔ وہ اپنی دُکھوں بھری پوٹلی اٹھائے در، در کی ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے، کوئی اس کا پُرسانِ حال نہیں۔ ''وقتِ خوش، آبِ دیدہ، راحتِ دل'' جیسی پیاری دعا جو اسے بابا فریدؒ کی درگاہِ بے کس پناہ

سے یاد کرائی گئی تھی، آج وہ بھول چکا ہے۔ سو نہ اُس کے پاس خوش وقتی ہے، نہ راحتِ دل میسر ہے اور نہ ہی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی یاد میں آنسو بہانے والی آنکھ، اَب انسان اپنی قسمت کو کوستا، ستم ہائے روزگار کو مسلسل برداشت کیے جارہا ہے، بلکہ جس معاشرے میں ہم جی رہے ہیں وہاں لفظِ ''برداشت'' کے لغوی واصطلاحی معنی تک بدل دیے گئے ہیں، ایک زمانہ تھا کہ ایک صوفی بزرگ، جسے زمانہ سات سے زیادہ صدیوں سے محبوبِ الٰہیؒ کے نام سے یاد کرتا ہے، اپنی محفلوں میں یہ درس دیا کرتے، کہ ''برداشت کرنے والا مارڈالنے والا ہوتا ہے'' کتنا عظیم قول ہے، اس پیغام کی حقیقت کو تلاشنے کی ضرورت ہے۔ خود کو اور اپنی آنے والی نسلوں کو اس قول کی عظمتوں سے آگاہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اس قول کو اپنے پلّے باندھ کر زندگی کی الجھی ڈور کو سلجھانے کی ضرورت ہے۔ ہاں! کتنے ہی خوبصورت اقوال اپنے عامل کی تلاش میں سرگرداں ہیں، کائنات کی عظیم کتاب ''قرآن مجید'' خالقِ کائنات کے اقوال واحکام کا ہی تو مجموعہ ہے، صاحبِ قرآن کے اقوال کا سرمایہ ہمارے لیے کتنی بڑی دولت ہے، کاش! ہم ان اقوال پر عمل پیرا ہو کر اپنی زندگیوں کو سنوارنے کی ایک بار پھر کوشش تو کرکے دیکھیں، اگر ایسا ہو جائے تو ہم پھر سے دنیا کی امامت کے اہل ہو سکتے ہیں۔ بقولِ اقبال:

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا

لیا جائے گا تجھ سے کام، دنیا کی امامت کا

مدیر

حمد

محمد اقبال نجمی

تُوں سبھناں دا "رب" ایں سچا تیریاں سبھ انواراں
تیرے بن معبود نہ کوئی تیری حمد چتاراں

تیرے سارے ناں نیں سوہنے اُچ تعریفاں والے
ایہناں تائیں چُم چُم کے میں اپنے بخت سنواراں

تُوں "رحمٰن" سداون والا تُوں "اللہ" تُوں کلّا
تیری ذات اے سچی اُچی رکھے وِچ حصاراں

نام " رحیم " اے تیرا اُچّا رحمت دا سر چشمہ
پاک گناہ تھیں کردا رہندا میں جے اوگن ہاراں

تیرا ناں " قدّوس " اے سائیاں پاک پوتر سوہنا
تیری شان جلالت دیاں نیں ایہدے وِچ جھلکاراں

تیرا نام "سلام" اے سوہنا سوہنی چھایا کردا
سوہن سلکھنا ناں اے سانوں رکھے وِچ حصاراں

☆☆☆

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

نذر صابریؒ

جو بابِ کُن کی کلیدِ کشود رکھتا ہے
بلا کا حُسن، غضب کی نمود رکھتا ہے

وہ شہسوارِ یگانہ رکاب میں اپنی
مسیح و آدم و موسیٰ و ہود رکھتا ہے

انھی کے نام سے قائم ہے خیمۂ ہستی
ہر اِک وجود انھی سے وجود رکھتا ہے

کچھ احترام مرے نامۂ عمل کا رہے
کہیں کہیں یہ متاعِ درود رکھتا ہے

تمہاری سیرِ سمٰوٰت سے ہوا روشن
کہ جبرائیلِ امیں بھی حدود رکھتا ہے

جنابِ نذرؔ سے محفل مہکتی رہتی ہے
دلِ گداختہ مانندِ عود رکھتا ہے

☆☆☆

معراج

علامہ محمد اقبالؒ

دے ولولہ شوق جسے لذّتِ پرواز
کر سکتا ہے وہ ذرّہ مہ و مہر کو تاراج!

مشکل نہیں یارانِ چمن! معرکہٴ باز
پُر سوز اگر ہو نفسِ سینہ دُرّاج

ناوک ہے مسلماں ! ہدف اس کا ہے ثریا
ہے سرِّ سرا پردہٴ جاں نکتہٴ معراج

تُو معنیٔ والنجم نہ سمجھا تو عجب کیا
ہے تیرا مدو جزر ابھی چاند کا محتاج

☆☆☆☆

منقبت حضرت خواجہ نظام الدین محبوبِ الٰہیؒ

حضرت امیر خسروؒ / یوسف مثالی

خرم آں روز کہ من آں رُخ زیبا بینم
اُو کند ناز و من از دُور تماشا بینم

دل نہ و صبر نہ و ہوش نہ و طاقت نہ
من در آں صورتِ زیبا بچہ یارا بینم

دلِ من گاہ خرامیدش از دست برفت
ہر کجا پائے نہاد است من آں جا بینم

کیست خسرؔو کہ کند بوسہ زِ پائے تو ہوس
ایں بسم نیست کہ از دور در آں پا بینم

ترجمہ:

۱۔ شاعر حسرت زدہ بھی ہے اور آرزومند بھی، اسی لیے وہ محبوب کے دیدار کی خواہش میں اپنی بے تابی کا ذکر بھی کرتا ہے اور اپنے مقدر کا شاکی بھی ہے۔

۲۔ ناز و ادا والے حُسن اور محبوب کے خوبصورت چہرے کے دیدار کی تڑپ تو ہے مگر نہ تو دِل ہی پاس ہے، صبر بھی نہیں، ہوش بھی نہیں اور اتنی طاقت بھی نہیں کہ اُس کے جلوے کا نظارہ کر سکوں۔

۳۔ محبوب کے چلنے کا انداز جس سے دِل پر قیامت برپا ہوئی جا رہی ہے۔ دل کو سنبھالوں یا میں حیرت زدہ تیرے قدم کے نشاں کو دیکھوں، مجھے تو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا۔

۴۔ اے خسرؔو! اُس کے قدم کو چوم لینا تو بہت بڑی بات ہے۔ میرے لیے تو یہی کافی ہے کہ میں محبوب کے پاؤں کا نشان دیکھ رہا ہوں۔

☆☆☆☆

امانت، اسلام اور معاشرے میں

علامہ آفتاب احمد رضوی☆

ایمان اور امانت کی بنیاد امن سے ہے۔ ایمان سے جسم و جاں کو دنیا و آخرت میں امان مل جاتا ہے، جب کہ امانت سے پورا معاشرہ امن و آشتی کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے۔ دینِ مبین نے امانت و دیانت کے جمال و کمال کو بیان فرمایا اور اس کے خدوخال، طور طریقے اور اثرات وثمرات کی نقاب کشائی فرمائی۔

۱۔ قرآنِ مجید میں ارشادِ ربانی ہے: اِنّ اللّٰہَ یَامُرُکُمۡ اَنۡ تُوَدُّوۡ الۡاَمَانَاتِ اِلٰی اَھۡلِھَا،
ترجمہ: اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل (لوگوں) کے سپرد کرو۔ (النساء۔۵۸)

امانت کی حفاظت ہی سے ادائیگی ممکن ہوتی ہے۔ خیانت کے خزاں سے اگر بہارِ امانت کو زبوں حال کیا جائے تو پورا معاشرہ پژمردہ ہوکر کملا جاتا ہے۔ تمام تر رویے سلوک اور برتاؤ، تازگی اور شباب سے محروم ہو جاتے ہیں۔ دل و دماغ، داغ داغ ہو جاتے ہیں۔ اس لیے لازم ہے، امانت میں خیانت نہ کی جائے۔

سورۃ الاحزاب میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں: اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالۡجِبَالِ فَاَبَیۡنَ اَنۡ یَّحۡمِلۡنَھَا وَاَشۡفَقۡنَ مِنۡھَا وَحَمَلَھَا الۡاِنۡسَان وَ اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوۡمًا جَھُوۡلًا (الاحزاب۷۲)

ترجمہ: ہم نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو وہ اسے اُٹھانے کے لیے تیار نہ ہوئے اور اس سے ڈر گئے، مگر انسان نے اسے اُٹھایا، بے شک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے۔

☆ مہتمم جامعہ اسلامیہ، عیسیٰ خیل (میانوالی)

امانت قبول کرنا جتنا آسان ہے اسے کما حقہ ادا کرنا اتنا ہی مشکل ہے۔ بہت سے لوگ ہیں جن کو اپنی صلاحیتوں پر ناز ہوتا ہے لیکن جب معاملہ امانت کا ہوتا ہے، تب اپنے مفادات اور خود غرضیاں سرِ بام اور سرِ عام دیمک بن کر چاٹنے اور کھوکھلا کرنے پر تل جاتے ہیں۔ حضرتِ انسان نے اپنی مرضی سے امانت کا بوجھ اپنے کندھوں پر اُٹھانے کی خود ٹھانی، دنیا اور آخرت کی گھاٹیوں سے بغیر نقصان اور گھاٹے کے گزرنا چنداں آسان نہیں۔ ربِّ کریم کا ارشاد ہے: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۵

ترجمہ: اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھتے ہیں۔ المومنون ۸

مومن کو امانت کا اعزاز نبھانے کے لیے محض زبانی جمع خرچ کافی نہیں ہوتا ہے یا صرف خیالی پلاؤ پکانے سے ایمان کے تقاضے پورے نہیں ہوتے، بلکہ یہ نہایت مشکل اور جان جوکھوں کا کام ہے۔

چوں بگویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلاتِ لاالٰہ را

جب میں یہ کہتا ہوں کہ مسلمان ہوں تو لرز جاتا ہوں، کیونکہ میں کلمہ طیبہ کی مشکلات جانتا ہوں۔

اس رشتے میں گل و گلاب اور مہک و مہکار نہیں، بلکہ تمام تر خواہشاتِ باطلہ کی گردن زنی کرتے ہوئے کردارِ باوقار کو امانت کی پاسداری اور وعدہ وفائی سے مزین و آراستہ کرنا ہوتا ہے۔ صرف دعوؤں سے کام نہیں چلتا، لیکن ایسا نہیں۔ دین کی سج دھج اور حسن و خوبی امانت داری اور وعدہ پورا کرنے میں مضمر ہے۔ ذرا غور فرمائیں! وہ سینہ ایمان سے خالی ہے، محض چٹیل میدان ہے، غیر آباد ہے اور بے آب و گیاہ ریگستان ہے، جس میں ایمان، امانت سے آباد نہیں۔ ایمان کا وجودِ مسعود یا تمکنت اگر قائم ہے تو امانت ہی کے دم قدم سے ہے۔ امانت کے بغیر ایمان کا تصور تو صرف خواب و خیال ہے۔ امام بیہقی نے اس حدیثِ پاک کو ''شعب الایمان'' میں روایت فرمایا:

لا ایمان لمن لا امانة له و لا دین لمن لا عهد له۔

ترجمہ: جو شخص امانت کا وصف نہیں رکھتا، اس کا ایمان نہیں اور جس میں وعدے کا پاس ولحاظ نہیں اس کا دین نہیں۔

جس کا ظاہر و باطن مختلف ہو اس کو منافق کا نام دیا جاتا ہے۔ نفاق و منافقت ایک شدید مرض ہے، اس سے عمل و اعتقاد کی عمارت میں دراڑ پڑ جاتی ہے۔ اور گاہے بگاہے دولتِ ایمان سے ہاتھ بھی اسی وجہ سے خالی رہ جاتے ہیں۔ منافق ساخت اور شکل میں بظاہر مسلمان نظر آتا ہے، لیکن اندر کی دنیا اتھل پتھل ہو چکی ہوتی ہے۔ باطن ذبح ہو چکا ہوتا ہے۔ وہ چلتا پھرتا مردہ ہوتا ہے۔ ان کو علامات سے، نشانیوں سے جانا جاتا ہے۔ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: جس شخص میں چار خصلتیں ہوں، وہ پکا منافق ہوتا ہے اور جس میں ان چار خصلتوں سے کوئی ایک خصلت ہو، جب تک وہ اس کو نہ چھوڑے اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی۔

۱۔ جب کوئی امانت اس کے حوالے کی جائے تو خیانت کرے۔

۲۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔

۳۔ جب عہد و پیمان کرے تو وعدہ خلافی کرے۔

۴۔ جب جھگڑا کرے تو گالی گلوچ سے کام لے۔ (متفق علیہ)

امانت کا مفہوم وسیع و کشادہ ہے۔ لغت کی ''کتاب المنجد'' میں اس کا معنٰی ہے: **مافرضه الله علی العباد.** جس چیز کا ادا کرنا اللہ تعالیٰ نے بندوں پر فرض کیا ہو۔ جب ہم مفسرین کرام کی تفاسیر پر نظر ڈالتے ہیں تو مفہوم و معانی نظر سے گزرتے ہیں۔ وہ ذمہ داریاں جو اللہ کریم نے نبھانے کا حکم دیا ہے۔ ذمہ داریاں افراد پر، اقوام پر، معاشرے پر لازم ہیں۔ غور کریں تو انسان حدود و قیود کے اندر محدود اور مقید ہے۔ دینی و اخلاقی ذمہ داریاں نبھانا اور ادا کرنا امانت داری ہے اور سرتابی کرنا خیانت اور بدعہدی ہے۔ اگر تھوڑی سی تفصیل میں جائیں تو کہہ سکتے ہیں ہمارے جسم کے اعضا، ہوش و حواس، عقل و شعور، زندگی کے شب و روز، تمام تر انسانی قوتیں،

صلاحیتیں، اعمال و کردار اور اسباب و وسائل امانت ہیں۔ فرائض و واجبات، سنن و مستحبات، امانت ہیں ان میں کوتاہی، سستی اور تعطل خیانت ہے۔ مال و متاع، دھن دولت، عہدہ و منصب، مقام و حیثیت اور رشتہ و تعلق سب امانت ہی کے زمرے میں داخل ہیں۔ آج اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ان تمام امور میں الوہی احکام، شرعی ضوابط اور دینی اصول من حیث القوم ہم نے ایک طرف رکھ دیئے ہیں۔ سینہ زوری، من مانی اور خود ساختہ سوچوں نے لگام تھام رکھے ہیں۔ عقل و فکر کی آزادی اور دل و دماغ کی آوارگی نے لباسِ امانت کو تار تار کر دیا۔ مساجد سے لے کر دفاتر تک، تعلیمی اداروں سے انصاف کے ٹھیکیداروں تک، ایک عام شہری سے لے کر ایوانِ اقتدار تک، ہر سمت، ہر سو، ہر طرف دامنِ امانت تار تار ہے۔ سرِ بازار داستانِ خونچکاں عام ہے۔ حق دار اپنے حق کے لیے ترس رہا ہے۔ جب کے ناحق غاصب معزز بنا بیٹھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ "تن ہمہ داغ داغ شد، پنبہ کجا کجا نہم" ترجمہ: جسم سارا داغ داغ ہو گیا ہے، کہاں کہاں پر زخم کا مداوا کروں۔

ایوانِ اقتدار میں براجمان مہرے، عوام کے خزانے کو باپ دادا کی جاگیر سمجھ کر دونوں ہاتھوں سے دونوں جبڑوں سے اللے تللے میں اُڑا رہے ہیں۔ افسر یا ماتحت، مالک یا مزدور ایک دوسرے کا حق مارتے ہوئے بڑے لگن سے مگن ہیں۔ ہیرا پھیری اور فرائض کی عدم ادائیگی روزمرہ کا معمول بن چکا ہے۔ کاریگر لوگ خراب اشیا کو درست کرنے کے نام پر اخراجات بڑھانے کے لیے جائز و ناجائز طریقے اپنا چکے ہیں۔ مختلف اداروں اور کمپنیوں کے نمائندے خرید و فروخت کے وقت اپنی کمیشن اور رشوت کو ترجیح دے کر خیانت کا بازار گرم کیے ہوئے ہیں۔ ملازمین علاج کے نام پر گورنمنٹ کو غلط پرچیاں اور فارمیسی بل دکھا کر پیٹ میں جہنم کی آگ بھر رہے ہیں۔ درزی فالتو اور زائد کپڑا رکھ کر واپس نہ کرنے کی قسم کھا کر، قبر کو انگاروں سے بھر کر قوم سے خیانت کر رہے ہیں۔ مختلف مصنوعات پر غلط اشتہار اور لیبل لگا کر حقیقت کو مسخ کر کے جھوٹ کا سہارا لے کر زیادہ قیمت وصول کرتے ہوئے خیانت کی قینچی سے لبادۂ امانت کتر رہے ہیں۔ الیکشن میٹنگز اور دیگر

مختلف ناموں سے حرام خوری کا بازار گرم رکھنا خیانت اور بدعہدی سے مال ہڑپ کرنا ایک عام سی بات ہو کر رہ گئی ہے۔ بعض ڈاکٹر محض پیسہ بٹورنے کے لیے بلاضرورت دوائی دیتے ہیں یا مختلف کمپنیوں سے ایک مخصوص طریقہ پر روپیہ وصول کرتے ہیں یا میڈیکل سٹورز کے ساتھ ساز باز کرتے ہوئے خیانت کے پیکر بن چکے ہوتے ہیں۔

بعض اساتذہ تعلیمی اداروں میں ڈیوٹی دیے بغیر تنخواہ حاصل کرتے ہیں یا اداروں کا کے وسائل کو مالِ مفت دلِ بے رحم کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔ سرکاری اراضی پر قبضہ اور من مانے طریقے سے استعمال، قوم کی امانت میں خیانت نہیں تو کیا ہے؟ مختلف اداروں میں سلیکشن کمیٹیاں بولیاں دے کر من چاہی دولت حاصل کر کے خیانت کا دھندہ کرتی ہیں۔ مساجد و مدارس میں صدقے کی اشیا کو باپ دادا کی جاگیر سمجھ کر استعمال کرنا کہاں کی امانت ہے؟ بعض ڈرائیور، کنڈیکٹر سواری کو مفت بٹھاتے ہیں یا پٹرول، ڈیزل چراتے ہیں یا گاڑی خراب ہونے کی صورت میں روپیہ مارتے ہیں۔ سرکاری ملازم بعض اوقات سرکاری دفاتر کی اشیا کو اپنا سمجھ کر بے دھڑک استعمال کرتے ہیں۔ حقیقت میں یہ سب خیانت ہی تو ہے۔

واپڈا کے ملازم میٹروں میں ہیرا پھیری کرتے ہیں اور یوں قوم کی امانت میں خیانت کرتے ہیں۔ سرکاری ہسپتالوں کا عملہ بعض اوقات سرکاری دوائی بیچ ڈالتے ہیں یا سرکاری ڈیوٹی کے دوران علاج و آپریشن کی رقم لے کر خیانت کا ارتکاب کرتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچا جائے۔ وہ امراض جو ہمارے اندر جنم لے چکے ہیں، ان کو دور کیا جائے۔ یہ سب کچھ تب ممکن ہے جب ہر فرد اپنی ذمہ داری کا احساس کرے اور اپنے دامن کو ہر برائی سے پاک صاف رکھنے کی کوشش کرے۔ دل میں خوفِ خدا پیدا کرے اور قیامت کے دن جواب دہی کا تصور راسخ کرے۔ وگرنہ کئی قومیں کتنی برائیوں میں غرق تھیں ان کو نشانہ قہر بنایا گیا اور حرفِ غلط کی طرح وہ لوگ مٹ گئے۔ اس سے پہلے کہ ہم بھی نشانِ عبرت بن جائیں، ہمیں راہِ راست پر آنا ہوگا اور اپنے اعمال و کردار کا، نظریات کا محاسبہ کرنا ہوگا۔

☆☆☆

صحابہ کرامؓ اور تعظیم رسول ﷺ

علامہ قاری محمد سعید☆

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو ہر وقت حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر رہتے تھے۔ شریعت کے مزاج سے خوب واقف تھے اور حلال وحرام سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ وہ رحمتِ عالم ﷺ کی ایسی تعظیم کرتے تھے جس کی مثال پوری کائنات میں نہیں ملتی۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب کہ ابھی وہ مسلمان نہ ہوئے تھے، حدیبیہ کے مقام پر حضو ﷺ سے گفتگو کے لیے تشریف لائے اس موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضور ﷺ کی تعظیم کرتے ہوئے جو انھوں نے دیکھا تھا واپسی کے بعد مکہ شریف کے کافروں سے ان لفظوں میں انھوں نے بیان کیا۔

''اے میری قوم! اللہ کی قسم، میں بادشاہوں کے درباروں میں وفد لے کر گیا ہوں، میں قیصر وکسریٰ اور نجاشی کے دربار میں حاضر ہوا ہوں لیکن خدا کی قسم میں نے کوئی بادشاہ ایسا نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھی اس طرح تعظیم کرتے ہوں جیسے محمد ﷺ کے ساتھی ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ خدا کی قسم! جب وہ تھوکتے ہیں تو ان کا تھوک کسی نہ کسی آدمی کی ہتھیلی پر ہی گرتا ہے جسے وہ اپنے چہرے اور بدن پر مل لیتا ہے اور جب وہ کوئی حکم دیتے ہیں تو فوراً ان کے حکم کی تعمیل ہوتی ہے اور جب وہ وضو فرماتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگ وضو کا مستعمل پانی حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جائیں اور جب ان کی بارگاہ میں بات کرتے ہیں تو اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں اور فوراً تعظیماً ان کی طرف آنکھ بھر کر نہیں دیکھتے۔ (بخاری شریف، جلد اول، ص ۳۷۹، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ، کراچی)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، جو رشد وہدایت کے چمکتے

☆ مدرس جامعہ زینت الاسلام، ترگ شریف (میانوالی)

ہوئے ستارے ہیں وہ ہر طرح سے سرورِ کائنات ﷺ کی بے انتہا تعظیم کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کے لعابِ دہن (تھوک) کو بھی زمین پر نہیں گرنے دیتے تھے۔ اپنی ہتھیلیوں پر لے کر بدن اور چہرے پر مل لیا کرتے تھے اور اعضائے وضو کا غسالہ مبارک (دھوون) حاصل کرنے کے لیے لڑنے مرنے کی صورت پیدا کرتے تھے۔

حضرت عمر فاروق ؓ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے بارے میں روایت کرتے ہے۔ ''جب وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہجرت کی رات غارِ ثور پر پہنچے تو حضور ﷺ سے عرض کی: خدا کی قسم! آپ غار کے اندر داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ سے پہلے میں داخل نہ ہو جاؤں تا کہ اگر کوئی موذی سانپ وغیرہ ہو تو اس سے مجھ کو تکلیف پہنچے اور آپ محفوظ رہیں۔ چنانچہ آپ غار کے اندر داخل ہوئے اور اس کو خوب صاف کیا اور جب غار کے اندر، اُن کو کچھ سوراخ نظر آئے تو ان کو انھوں نے اپنے بدن کے کپڑے پھاڑ کر بند کیا ان میں سے دو سوراخ رہ گئے ان پر اپنے پاؤں رکھ دیئے۔ پھر رسول اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ تشریف لائیے: تو رسول ﷺ تشریف لائے، اور اپنا سر مبارک آپ کی گود میں رکھا اور سو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے پاؤں پر سوراخ سے ڈس لیا گیا۔ آپ ؓ نے بالکل جنبش نہ کی، اس ڈر سے کہ رسول اللہ ﷺ نہ جاگ پڑیں۔ پھر آپ ؓ کے آنسو آپ ﷺ کے چہرے پر گرے تو فرمایا اے ابوبکر ؓ کیا ہوا۔ عرض کیا! آپ پر میرے ماں باپ قربان! میں تو ڈس لیا گیا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے اپنا لعاب مبارک لگایا تو وہ تکلیف جاتی رہی جو وہ پاتے تھے۔ پھر وہ زہر لوٹ آیا اور آپ کی وفات کا سبب بنا (یعنی اسی زہر کی وجہ سے آپ کی وفات ہوئی۔ (مشکوۃ شریف، ص ۵۵۶)

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا ہجرت کی رات حضور ﷺ کے ساتھ مکہ شریف کی آبادی سے نکل کر تقریباً پانچ کلومیٹر جبلِ ثور کے سنسان مقام پر جانا، پھر لگ بھگ ڈھائی کلومیٹر خطرناک راستہ طے کر پہاڑی کی چوٹی کے قریب اس کے غار تک پہنچنا اور حضور ﷺ سے یہ عرض کرنا کہ خدا کی قسم! غار کے اندر آپ ﷺ داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ میں داخل نہ ہو جاؤں تا کہ اگر

گوئی اذیت پہنچے تو مجھے پہنچے اور پھر حضور ﷺ کی حفاظت کے لیے اپنے بدن کا کپڑا پھاڑ پھاڑ کر غار کے سوراخوں کو بند کرنا اور دو سوراخوں پر اپنی ایڑیاں لگا دینا یہاں تک کہ سانپ کے کاٹ لینے سے سخت تکلیف کے باوجود حضور ﷺ کی نیند میں خلل آنے کے خوف سے جنبش نہ کرنا۔ یہ ساری باتیں حضور ﷺ کی تعظیم میں سے ہی ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہو رہی تھی، اس حالت میں کہ آپ ﷺ کا سر مبارک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا، جس کی وجہ سے آپؓ عصر کی نماز نہ پڑھ سکے۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا اے علی: کیا تو نے نماز نہیں پڑھی؟ انھوں نے عرض کی "نہیں"، تو حضور ﷺ نے بارگاہِ الٰہی میں دعا فرمائی: الٰہ العالمین: علی تیرے اور تیرے رسول کی اطاعت اور فرمابرداری میں تھے (اس لیے ان کی نمازِ عصر قضا ہو گئی) لہٰذا تو ان کے لیے سورج کو لوٹا دے۔ حضرت اسماء بنت عمیس فرماتی ہیں میں نے دیکھا کہ سورج ڈوب گیا تھا۔ پھر (دعائے نبوی ﷺ کے بعد) میں نے دیکھا کہ وہ نکل آیا اور اس کی کرنیں پہاڑوں اور زمینوں پر پھیل گئیں۔ یہ واقعہ مقام صحبا میں پیش آیا جو خیبر سے قریب ہے۔

اس حدیث شریف سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سرکارِ اقدس ﷺ کی تعظیم میں نماز جیسی اہم عبادت آپ کی نیند پر قربان کر دی، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی نگاہ میں حضور ﷺ کی تعظیم آپ کی خدمت، حضور ﷺ پر جان نچھاور کرنا ساری نیکیوں سے افضل ہے۔

صحابی رسول اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: "کہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو صحابہ کرام کا حال یہ تھا کہ وہ گھیرا ڈالے ہوئے حضور ﷺ کی بارگاہ میں اس طرح ادب سے بیٹھے ہوئے تھے کہ گویا ان کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہوئی ہیں۔" (کتاب الشفا، بتعریف حقوق سیدنا مصطفیٰ ﷺ، ص ۲۵۸)

حضور ﷺ کی خدمت میں لوگوں کا اتنے سکون سے بیٹھنا کہ جیسے ان کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہوئی ہوں اور وہ ان کے اُڑنے کے خوف سے سر نہ ہلائیں، یہ بھی حضور ﷺ کی تعظیم ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں نے رسول ﷺ کو دیکھا کہ ایک شخص آپ ﷺ کا سر مبارک مونڈھ رہا ہے اور صحابہ کرام ان کے نزدیک گھیرا ڈالے ہوئے بیٹھے ہیں اور نہیں چاہتے کہ حضور ﷺ کا ایک بال بھی کسی کے ہاتھ میں آنے کے بجائے زمین پر گرے (صحیح مسلم شریف، جلد ۲، ص ۲۵۶، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یہ بھی سرکارِ اقدس ﷺ کی تعظیم ہے کہ صحابہ کرامؓ حضور ﷺ کے مونڈھے ہوئے بالوں کو لینے کے لیے گھیرا ڈال کر بیٹھ گئے اور آپ ﷺ کے ایک بال مبارک کو بھی زمین پر نہیں گرنے دیتے۔ اس حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان، حضور ﷺ کے آثار مبارکہ سے برکت حاصل کرتے تھے۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: صحابہ کرام نے جو رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کی، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب کفارِ قریش نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کعبۃ اللہ شریف کے طواف کے لیے کہا تو اس موقع پر کہ آپ کو حدیبیہ سے حضور ﷺ نے صلح کے معاملے میں مکہ شریف بھیجا تھا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے طوافِ کعبہ سے انکار کر دیا اور فرمایا جب تک رسول اللہ ﷺ اس کا طواف نہیں کریں گے میں طواف نہیں کر سکتا۔ (الشفاء بتعریف حقوقِ مصطفیٰ، ص ۲۵۸، مکتبہ شان الاسلام قصہ خوانی محلہ، جنگی پشاور)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ آپ ﷺ کا دروازہ ناخنوں سے کھٹکھٹاتے تھے۔ (الشفاء بتعریفِ حقوقِ مصطفیٰ، ص ۲۵۹، مکتبہ شان الاسلام قصہ خوانی محلہ، جنگی پشاور) یعنی حضور ﷺ کی تعظیم اور تکریم اور ان کی توقیر کے لیے ضربِ خفیف سے بھی ہلکی دستک دیتے تھے۔ حضرت امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے

ہیں" جان کہ بے شک حضور ﷺ کی تعظیم اور توقیر آپ ﷺ کے پردہ پوشی کے بعد بھی لازم ہے، جیسا کہ حالتِ حیاتِ دنیوی میں تھی، اس لیے کہ اب بھی حضور ﷺ زندہ ہیں۔ بلند درجہ اور رفیع حالات میں رزق دیئے جاتے ہیں اور یہ تعظیم وتوقیر حضور ﷺ کے ذکر کے وقت اور ذکرِ حدیث اور سنت کے وقت اور نامِ پاک کے سننے کے وقت اور حضور ﷺ کی آل اور عزت کے معاملہ کے وقت، لازم ہے۔ اور اہلِ بیت اور صحابہ کرام کی تعظیم کرنا امام ابوابراہیم تجیبی نے فرمایا: ہر مومن پر واجب ہے کہ جب حضور ﷺ کا ذکر کرے یا اس کے سامنے حضور ﷺ کا ذکر کیا جائے تو خضوع وخشوع کرے اور باوقار ہو جائے اور حرکت سے سکون کرے اور حضور ﷺ کی ہیبت اور جلال میں شروع ہو جیسا کہ اپنے نفس کو ان باتوں کا مکلف بناتا اگر حضو ﷺ علی الاعلان سامنے ہوتے اور اللہ تعالیٰ کی تعلیمِ ادب کے مطابق متادب ہو جائے۔

امام قاضی اور ابوالفضل عیاض نے فرمایا: ہمارے سلف صالحین اور گزشتہ آئمہ کا یہی طریقہ تھا (کہ بوقتِ ذکرِ حضور ﷺ، کمال متادب ہو جاتے) پھر قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے خلیفہ ابوجعفر اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مناظرہ ذکر فرمایا: ابوجعفر (منصور عباسی) امیر المومنین نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے حضور ﷺ کی مسجد شریف میں مناظرہ کیا تو امام صاحب نے اس سے کہا اے امیر المومنین! اس مسجد میں بلند آواز سے نہ بولو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک جماعت کو ادب سکھایا (تم اپنی آوازوں کو نبی ﷺ کی آواز پر بلند مت کرو، الحجرات) اور ایک جماعت کی مدح فرمائی، پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (بے شک جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول ﷺ کے نزدیک پست کرتے ہیں، الحجرات) اور ایک قوم کی مزمت بیان فرمائی۔ (بے شک وہ جو تمھیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں، الحجرات) بلاشبہ آپ ﷺ کی عزت وحرمت اب بھی اسی طرح ہے جس طرح آپ ﷺ کی حیاتِ ظاہری میں تھی۔ یہ سن کر ابوجعفر خاموش ہو گیا۔ پھر خلیفہ ابوجعفر نے امام مالک سے عرض کی، اے ابوعبداللہ: (یہ امام مالک کی کنیت ہے) کہ حضور ﷺ کے روضہ پر دعا کے وقت قبلہ کی طرف منہ کروں یا حضور ﷺ کی طرف۔ امام

مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اپنا چہرہ ان سے کیوں پھیرتا ہے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف تیرا وسیلہ ہیں اور تیرے باپ آدم علیہ السلام کا بھی وسیلہ ہیں۔ بلکہ تو اُن کی طرف رخ کر (قبلہ کی طرف پیٹھ کر) اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اجابتِ دعا کے لیے ان کی سفارش طلب کر۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی شفاعت قبول فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: (اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب، تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہیں اور رسول بھی ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔ (سورۃ النساء۔آیت ۶۴) (الشفاء بتعریفِ حقوقِ مصطفیٰ، ص۲۶۰، مکتبہ شان الاسلام قصہ خوانی محلہ، جنگی پشاور)

اس روایت سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے روضہ شریف پر حاضری دے اور دعا مانگے تو منہ سرکار کی قبر شریف کی طرف کرے اور پشت قبلہ شریف کی طرف کرے۔ احناف کے نزدیک بھی یہ مسئلہ اسی طرح ہے۔ جیسا کہ "فتح القدیر" میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ نے فرمایا: سنت یہ ہے کہ جب تو نبی کریم ﷺ کی قبر شریف پر حاضری دے تو قبلہ کی طرف سے داخل ہو اور اپنی پشت قبلہ کی طرف کر اور اپنا منہ سرکار ﷺ کی قبر شریف کی طرف کر۔ (فتح القدیر، جلد۳، ص۹۵، مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ)

☆☆☆☆☆

ملفوظاتِ حضرت نظام الدین محبوبِ الٰہیؒ

اسی سال رجب کے مہینے کی دسویں تاریخ ہفتے کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ تحمل (برداشت) کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ خلقت کا معاملہ تین طرح کا ہے۔ پہلی قسم یہ ہے کہ آدمی سے نہ تو کسی کو فائدہ پہنچے نہ نقصان! ایسے لوگوں کا حال جماد (پتھر وغیرہ) جیسا ہے۔ دوسری قسم وہ ہے اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچتا ہے نقصان نہیں۔ یہ (ذرا) بہتر ہے۔ تیسری قسم ان دونوں سے اچھی ہے اور وہ ایسے (آدمیوں کی) ہے، جن سے دوسروں کو فائدہ (تو) پہنچتا (ہی) ہے لیکن اگر کوئی انھیں نقصان پہنچاتا ہے تو وہ اس کا بدلہ نہیں لیتے اور برداشت سے کام لیتے ہیں اور یہ صدیقوں کا کام ہے [فوائد الفواد، تیرہویں مجلس، جلد پنجم]

حضرت خواجہ فضیل بن عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مولوی محمد رمضان معینی ☆

ابوعلی الفضیل بن عیاض بن مسعود بن بشر التمیمی الطالقانی الاصل الفندینی الزاہد المشہور (وفیات الاعیان ابن خلقان، حصہ چہارم، ص ۴۵۸)

سیر الاقطاب میں تحریر ہے کہ: ابوعلی کنیت داشت و ابی الفیض نیز میگویند، خرقہ فقر و ارادت از قطب المشائخ حضرت شیخ عبدالواحد قدس سرہ العزیز پوشیدہ و از ابی غیاث بن منصور بن معمر سلمی کوفی قدس اللہ سرہ العزیز نیز خلافت دارد، وہو من حضرت محمد بن مسلم وہو من حضرت محمد حبیب نوفلی و او از حضرت حبیب مطعم قرشی و اوؓ از حضرت امیر المومنین خلیفہ رسول رب العالمین شیخ العتیق قاتل الکفرۃ والزندیق ابی بکرؓ الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (سیر الاقطاب فارسی، ص ۲۴)

سیر الاقطاب میں لکھا ہے کہ پس آں سراج الواصلین بکوفہ رسید و با حجت السلام حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کوفیؒ صحبت داشت و اولیاء بسیار را دریافت و باز بصرہ رفت در خدمت قطب الاقطاب حضرت حسن بصری قدس اللہ سرہ العزیز مشغول شود چوں نزدیک رسید شنید کہ حضرت خواجہ وفات یافت در گریہ شد شخصے پرسید چرا گریہ میکنی و اکنون گریستن چہ سود دارد اگر ارادہ داری برو پیش قطب المشائخ حضرت شیخ عبدالواحد بن زید کہ مرید کامل آں حضرت است و خرقہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ و علی المرتضیٰؓ کرم اللہ وجہہ او پوشیدہ (سیر الاقطاب، ص ۲۶) نقل است کہ آں حضرت سوم ماہ ربیع الاول بسنہ سبع وثمانین ومائۃ من ہجرۃ النبی صل اللہ علیہ وسلم برحمتِ حق پیوست و مرقد منور آں حضرت بیت الحرام اندر جنت المعلی قریب روضہ مقدسہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا است و

☆ خانقاہِ معلیٰ حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسویؒ سے وابستہ، سلسلہ چشتیہ کے ساتھ بے پناہ عقیدت ومحبت رکھنے والے، خصوصاً اپنے خانوادے سے۔ کتبِ تصوف کا خوبصورت ذخیرہ رکھتے ہیں۔

ایں دو گوئی تاریخ وفات آں حضرت باالہام ربانی قطب جہان بودی یافتہ است نقل است کہ آں حضرت پنج خلیفہ داشت سلطان ابراھیم ادھم وشیخ محمد بن یزید الشیر ازی وخواجہ بشر حافی وحضرت شیخ ابی رجا العطاری وخواجہ عبداللہ سیاری قدس اللہ اسرار ہم (سیر الاقطاب فارسی، ص ۲۹) قطب کے عدد ''۱۱۱'' ہیں اور جہان کے ۵۹ ہیں اگر لفظ بودہ شامل کریں تو اس کے عدد ۱۷ ہیں اس طرح ۱۸۷ عدد برآمد ہوتے ہیں۔

خواجہ امام بخش مہارویؒ لکھتے ہیں کہ: آپ حضرت خواجہ عبدالواحد بن زید کے خلفائے عظام سے تھے۔ علمِ تفسیر اور علمِ حدیث میں آپ ایک مایہ ناز اور بے نظیر عالم تھے (مخزنِ چشت، ص ۱۳۳) حضرت فضیل کا وصال ۳ / ربیع الاول کو ہوا اور بعض روایات کے مطابق ماہِ محرم ۱۸۷ھ میں حرمِ کعبہ میں ہوا آپ کی قبر مبارک حضرت خدیجہؓ کی قبر کے نزدیک ہے (مخزنِ چشت اُردو، ص ۱۳۸)

فضیل فرماتے ہیں اگر کوئی شخص کلیۃً نیکی کرتا ہے اور اس کی ایک مرغی ہے جس سے وہ بُرا برتاؤ کرتا ہے تو وہ نیک کام کرنے والا نہیں کہلا پائے گا۔ (رسالہ قشیریہ اُردو، ص ۴۵۸)

کہتے ہیں کہ علی بن فضیل اپنے محلّہ کے دکانداروں سے اشیا خریدا کرتے، کسی نے ان سے کہا کہ اگر آپ بازار میں جا کر خریدیں تو سستا ملے، آپ نے فرمایا یہ لوگ نفع کی امید میں ہمارے پڑوس میں آ کر اترے ہیں۔ (رسالہ قشیریہ اُردو، ص ۴۶۵)

ملفوظات:

۱۔ جب میں دنیا کو کسی عالم کے ساتھ کھیلتا دیکھتا ہوں تو مجھ کو رونا آتا ہے۔

۲۔ لوگوں کی خاطر عمل کرنا رِیا ہے۔

۳۔ علم و عمل وہی بہتر ہے جو مخلوقِ خدا سے پوشیدہ ہو۔

۴۔ اگر تم کسی عالم یا عابد کو دیکھو کہ وہ امیروں یا دنیاداروں کے ہاں اپنی صلاحیت کا ذکر سن کر خوش ہوتا ہے تو سمجھ لو، وہ رِیا کار ہے۔

۵۔ اگر قرآن وحدیث کے عالموں میں خرابی نہ آجاتی تو یہ تمام لوگوں سے اچھے ہوتے۔ لیکن انھوں نے علم کو صرفہ اور ذریعۂ معاش بنا رکھا ہے۔ اسی لیے وہ زمین وآسمان میں ذلیل ہو چکے ہیں۔

۶۔ ریاکار عالم کی علامت یہ ہے اس کا علم تو پہاڑ کی طرح ہوگا اور اس کا عمل ذرہ کے برابر۔

۷۔ بہت سے ایسے علما ہیں جو بادشاہ کے پاس اپنے دین کو لے جاتے ہیں اور جب باہر نکلتے ہیں تو دین کو وہیں چھوڑ کر آتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

۸۔ کسی شخص کو امرا کے پاس جانا اور ان سے میل جول رکھنا زیب نہیں۔ ہاں امیر المومنین حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا کوئی امیر ہو تو مضائقہ نہیں۔

۹۔ مصیبت زدوں پر رحم کرو، کیونکہ ممکن ہے تمہارا جرم ان کے جرم سے بڑا ہو، اور تم کو بھی یہی سزا ہو یا اس سے بڑھ کر۔

۱۰۔ سچی دوستی کی شرط یہ ہے کہ مفلسی کی حالت میں دوست کی عزت اس کی تونگری کی حالت سے بڑھ کر کرے۔ کیوں کہ افلاس تونگری سے اشرف ہے اور مفلس بلحاظ اپنے مرتبہ سے زیادہ اکرام کا مستحق ہے نہ کہ محض مفلسی میں احتیاج کے لحاظ سے۔

۱۱۔ آدمی کی بکثرت واقفیت اس کی قلتِ عقل کے باعث ہے۔

۱۲۔ سائل بہت اچھے ہیں کہ ہمارا، زادِراہ بغیر اجرت کے آخرت تک اٹھائے لے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اللہ جل مجدہ الکریم کے سامنے میزان میں رکھ دیتے ہیں۔

۱۳۔ جو شخص اپنے تمام اعضا کو گناہوں سے نہ روکے وہ اگرچہ بھوکا رہے پھر بھی روزہ دار نہیں اور جو شخص اپنے جسم کے اعضا کو معصیت سے روکے در حقیقت روزہ دار وہی ہے۔

۱۴۔ آپ سے استغفر اللہ کے معنی پوچھے گئے، فرمایا اس کے معنی ہیں، اے اللہ مجھ کو

گناہوں سے بچالے۔

حضرت فضیل کی کرامت، ص۶۴۲، رسالہ قشیریہ، کشف المحجوب ص ۹۵ حالات کے لیے ملاحظہ ہو ''کشف المحجوب'' ص ۹۵ تا ۹۶) اُردو، ص۱۷۳ تا ۱۷۶، مترجم، علامہ فضل الدین گوہر، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، نومبر ۱۹۸۳ء، حبیب عجمی ص۱۶۲ تا ۱۶۳، مالک بن دینار، ص۱۶۳ تا ۱۶۴، محمد بن واسع، ص۱۶۶ تا ۱۶۷، امام اعظم ابوحنیفہ، ص۱۶۷ تا ۱۷۱، داتا صاحب تحریر کرتے ہیں کہ آپ [امام ابوحنیفہؒ] اکثر مشائخ کے استاد تھے، چنانچہ ابراھیم بن ادھم، فضیل بن عیاض، داؤد طائی اور بشر حافی وغیرہ ہم نے آپ سے فیض حاصل کیا۔ کشف المحجوب ص ۱۶۸، مطبوعہ اردو، لاہور

حالات کے لیے مزید دیکھیے۔

۱۔ وفیات الاعیان تاریخ ابن خلقان (پ۶۰۸ھ، م ۶۸۱ھ) حصہ چہارم، مطبوعہ کراچی، مترجم علامہ اختر فتح پوری، ص۴۵۸ تا ۴۶۰

۲۔ طبقات الصوفیہ ابوعبدالرحمٰن سلمی، مترجم شاہ محمد چشتی، طابع غلام مصطفیٰ پرنٹنگ پریس، لاہور، سالِ اشاعت ۲۰۱۱ء، ص ۲۹ تا ۳۲

۳۔ وفیات الاعیان ابن خلقان، حصہ چہارم، ص۴۵۸ تا ۴۵۰

۴۔ تہذیب ابن حجر عسقلانی، ج ۸، ص۸۴

۵۔ صفوۃ الصفوۃ، ابنِ جوزی، ج ۲، ص۳۴

۶۔ وفیات الاعیان ابن خلقان، ج ۱، ص۴۱۵

۷۔ حلیۃ الاولیاء، ابونعیم اصفہانی، ج ۸، ص ۸۴

۸۔ طبقات الصوفیہ، ج ۲، ص۱۳۴،

۹۔ لطائفِ اشرفی، حصہ اول، خانوادہ عیاضیان ص ۵۲۹ تا ۵۳۰

۱۰۔ تذکرۃ الحفاظ، علامہ ذہبی، ج ۱، ص ۲۲۵، مطبوعہ

۱۱۔ تذکرہ الاولیاء، شیخ فرید الدین عطار، باب ۱۰، ص ۴۸
۱۲۔ الطبقات الکبریٰ، ج ا، ص ۶۸
۱۳۔ سیر الاولیاء، میر خورد کرمانی،
۱۴۔ نفحات الانس، مولانا جامیؒ، ص ۲۶
۱۵۔ سبع سنابل، ص ۴۱۰ تا ۴۱۲
۱۶۔ سفینۃ الاولیاء، داراشکوہ قادری، بذیل تذکرہ ص ۸۶
۱۷۔ سیر الاقطاب، شیخ الہ دیہ چشتی صابری،
۱۸۔ مراۃ الاسرار [سال تالیف ۱۰۴۵ھ تا ۱۰۶۵ھ] شیخ عبدالرحمٰن چشتی صابری (پ ۱۰۰۵ھ م ۱۰۹۴ھ)، مترجم کپتان واحد بخش سیال چشتی صابری، ص ۲۶۱ تا ۲۶۴ اشاعت رجب ۱۴۱۲ھ لاہور
۱۹۔ اقتباس الانوار، شیخ محمد اکرم براسوی
۲۰۔ مطلوب الطالبین، قاضی محمد بلاق دہلوی
۲۱۔ مراۃ ضیائی، مولانا رحمت علی ضیائی جے پوری
۲۲۔ شجرۃ الانوار، مولانا رحیم بخش فخری
۲۳۔ مخزنِ چشت، خواجہ امام بخش مہارویؒ، مترجم پروفیسر افتخار احمد چشتی، مطبوعہ فیصل آباد ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء، ص ۱۳۳ تا ۱۳۸
۲۴۔ مناقب المحبوبین، حاجی نجم الدین سلیمانی فتح پوری، مطبوعہ رام پور ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء

☆☆☆☆☆

سجادہ نشینانِ حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی

(۶) حضرت مولانا محمد فتح الدین مدظلہ العالی

محمد ساجد نظامی

آپ کی ولادت ۱۹۴۲ء میں حضرت مولانا محمد فضل الدینؒ مکھڈی کے ہاں مکھڈ شریف میں ہوئی۔آپ اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے ہیں۔آپ کی ولادت کے بعد چار ہمشیرہ ہوئیں۔آپ سے چھوٹی اور بہنوں میں سب سے بڑی ہمشیرہ کا وصال ۱۳ رمضان المبارک ۱۹۹۶ء کو ہوا۔

قرآنِ مجید کی تعلیم اپنے نانا حضرت مولانا محمد الدینؒ مکھڈی [م۔۱۹۷۵ء] سے حاصل کی۔ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد اور دادا حضرت مولانا محمد احمد الدینؒ مکھڈی [م۔۱۹۶۹ء] کے زیر نگرانی ہوئی۔عصری علوم کے حصول کے لیے مکھڈ شریف کے علاوہ داؤد خیل، چکڑالہ، ڈیرہ اسماعیل خان اور ملتان کا سفر کیا۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد قریباً سات سال حضرت قبلہ عالم نور محمد مہارویؒ کی نگری مہار شریف [تحصیل چشتیاں، ضلع بہاولنگر] میں رہے۔۱۹۷۵ء میں حضرت خواجہ غلام زین الدینؒ [م۔۱۹۷۸ء] کی صاحبزادی کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئے۔اللہ رب العزت نے آپ کو تین بیٹوں اور دو بیٹیوں سے نوازا۔

آپ اپنے دادا حضرت مولانا محمد احمد الدینؒ مکھڈی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ولادت سے لے کر اپنے دادا حضور کے وصال [۱۹۶۹ء] تک قریباً ۲۸ سال اُن کے زیر تربیت رہے۔سفر و حضر میں اُن کا ساتھ میسر رہا۔آج بھی دوران گفتگو اگر حضرت مولانا محمد احمد الدینؒ مکھڈی کا تذکرہ چھڑ جائے تو بڑے احترام و احتشام کے ساتھ اُن کی زندگی کے مختلف واقعات بیان فرماتے ہیں۔جس سے اُس عظیم ہستی کے شب و روز اور دینِ اسلام کے ساتھ اُن کی والہانہ محبت و عقیدت کا انداز مشامِ جاں کو تازگی عطا کرتا ہے۔

آپ کو اپنے والدِ مکرم حضرت مولانا محمد فضل الدین ؒمکھڈی [م۔۲۰۰۸ء] سے خلافت عطا ہوئی۔اپنے والدِ مکرم کے وصال کے بعد خانقاہ حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی پر اپنی خدمات پیش کر رہے ہیں۔آپ کی شخصیت اپنے اسلاف کا عملی نمونہ ہے۔علم وفضل کے علاوہ جو وصف آپ کی ذات میں بہت نمایاں ہے وہ خدمتِ خلق کا حقیقی جذبہ ہے۔اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ نے مکھڈ شریف جیسی دور افتادہ بستی میں تعلیم وصحت کے شعبوں میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔خانقاہِ معلیٰ میں علمی وتعمیراتی سرگرمیاں آپ کی ذات کی مرہونِ منت ہیں۔ اسلامی علوم کے ساتھ عصری علوم کی ترویج وترقی میں شب وروز کوشاں ہیں۔مکھڈ شریف اور اس کے گردونواح میں تعلیم اور صحت ہر دو شعبوں میں اُن کی خدمات قابلِ ستائش ہیں۔فری ڈسپنسریاں اور ۳۰ سے زائد سالوں سے فری آئی کیمپ کا انعقاد اس کی زندہ مثالیں ہیں۔

خانقاہِ معلیٰ حضرت مولاناؒ مکھڈی پر قائم عظیم وقدیم کتب خانہ کی جدید بنیادوں پر دیکھ بھال کا اہتمام ہو یا گورنمنٹ پوسٹ گریجوئٹ کالج، اٹک کے کتابدار جناب نذر صابریؒ [م۔دسمبر ۱۹۱۳ء] سے کتب خانہ کی کٹیلاگینگ کا مرحلہ ہو، ہر ایک کام کے لیے آپ کی کاوشیں ہمیشہ پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی جائیں گی۔آپ کی انھیں کاوشوں کی بدولت آج کتب خانہ کے خطی نسخہ جات اور دیگر اہم تاریخی دستاویزات کو آن لائن کرنے کے کام کا آغاز ہو چکا ہے۔سہ ماہی ''قندیلِ سلیماں'' پوری آب وتاب کے ساتھ شائع ہو رہا ہے اور مخطوطات کی فہرست سازی پر کام بھی جاری ہے۔

خانقاہ حضرت مولاناؒ مکھڈی پر جامعہ عالیہ دینیہ کے نام سے اسلامی علوم کی درسگاہ آپ کی سرپرستی میں دینی علوم کی ترویج میں اپنی خدمات پیش کر رہی ہے۔دینی وعصری علوم کے حسین امتزاج سے تین ادارے الھدیٰ مدرسۃ البنات کے نام سے مکھڈ شریف، انجرا اور مکھڈ روڈ میں اپنی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔جس میں آج تک سینکڑوں طلبہ وطالبات اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد بھرپور عملی زندگی گزار رہے ہیں۔

علاقہ بھر کی عوام کے لیے تعلیم اور صحت کے حصول کے لیے حقیقی کاوشیں آپ کی زندگی کا مقصد ہے۔آپ اکثر اپنی گفتگو میں فرماتے ہیں کہ یہ جذبہ میرے پیرومرشد حضرت دادا حضور نے عطا فرمایا اور انھیں کے حکم کی تعمیل میں اپنی زندگی وقف کیے بیٹھا ہوں۔اسی خدمتِ خلق کی بدولت انھیں یہ مقام نصیب ہوا کہ وہ مخدوم ہوئے۔

''ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد''

تونسہ مقدسہ، مہار شریف، پاکپتن شریف اور سلسلہ چشتیہ کی دیگر خانقاہوں پر باقاعدگی کے ساتھ حاضری آپ کا معمول رہی ہے۔متعدد بار حج بیت اللہ اور عمرہ شریف کی سعادت سے بہرہ مند ہو چکے ہیں۔روضہ رُسول ﷺ کی حاضری زندگی کا افضل ترین مقصد گردانتے ہیں۔

اللہ رب العزت اپنے حبیبِ کریم کے تصدق میں انھیں صحت وسلامتی سے رکھے اور ہمارے سروں پر ان کا سایہ ہمیشہ قائم ودائم رکھے۔آمین بجاہِ نبیک الکریم۔

☆☆☆☆☆☆

جنگ نامہ منسوب بہ قاسم نامہ

مولانا شمس الدین اخلاصیؒ

درنعت خواجۂ کائنات سردفترِ موجودات کہ از لو لا ک لما خلقت الا فلا ک تاجِ برسر داشتہ واز ترکت الکل لک تخت پا افراشتہ صل اللہ علیہ وسلم:

فرستادۂ مالکِ کن فکاں	۱۳۷	حبیبِ خدا ، شاہِ کون و مکاں
زرِ خالص از معدنِ کبریا	۱۳۸	مسِ جملہ موجود را کیمیا
محمد ﷺ کہ خورشید بینش بود	۱۳۹	بسایہ درش آفرینش بود
چہ خورشید کو در عدم خانہ بود	۱۴۰	دریں عالم از نورش افسانہ بود
پُر از شوقِ دیدارِ اوشد جہاں	۱۴۱	چو عیسیٰ کے آید از آسماں
چو در مصرِ عالم ظہور آمدش	۱۴۲	چو یوسف جہاں پُر زِ نور آمدش
شہِ دو جہاں خاتم المرسلیں	۱۴۳	شفیع الامم اکرم العالمیں
امام الہدیٰ سرورِ کائنات	۱۴۴	طفیل آمدندش ہمہ ممکنات
زِ لولاک بر سر عجب تاجِ او	۱۴۵	خوشا درجۂ اوجِ معراجِ او
جہاں خوشہ چین ست اَز خرمن اش	۱۴۶	فلک خوشہ روب آمد از گلشن اش
بہ عالم در از نوکِ قدرت قلم	۱۴۷	زِ نورش چکیدہ نخستیں رقم
چو منظور نور آمد اندر وجود	۱۴۸	صلا آمدہ در جہانِ سجود
کہ اے خفتگانِ بساطِ علم	۱۴۹	شدہ سرگراں اَز نشاطِ قِدم
زِ سر خوابِ غفلت نمایند دور	۱۵۰	کہ آورد نوری بہ عالم ظہور
وجودش عجیب است دُرِّ ثمیں	۱۵۱	ظہورش بود رحمت العالمیں

همہ آفرینش اَزُوْ سایۂ ۱۵۲ ازاں مرتبہ ئہ فلک پایۂ

فلک را کلاہ خاکِ پایش بود ۱۵۳ زِ یٰسین و طٰہٰ ثنایش بود

مَلَکْ در رکابش بود راہ بوی ۱۵۴ زِ میدانِ او آسماں نیم گوی

گلِ خوش بہ فیروزہ گلشن رسید ۱۵۵ بہ جمع جہاں شمع روشن رسید

زِعکسِ رُخش آفتاب انورست ۱۵۶ یکے رشحی از قُلزمش کوثر ست

فلک را نہ در جائے قدرش مدار ۱۵۷ زمیں را نہ در جائے قہرش قرار

نہ در پردۂ خلوتش بار کس ۱۵۸ بہ اسرار شرعش نہ گفتار کس

بروں رفتہ از شہرِ ناسوت شد ۱۸۹ وطن ساز بر بامِ لاہوت شد

بہ تاریکیِ نیستی رہ نبود ۱۶۰ وگر بود بروی کس آگہ نبود

چو نورش نخستیں علم بَر کشید ۱۶۱ زِ شامِ عدم صبحِ آمد پدید

زِ نورِ مقدس چراغِ بدست ۱۶۲ نمایندۂ راہ ہر کس شدست

نخست آدم اَزْ وی شدہ نور یاب ۱۶۳ زدہ عطسہ از دیدنِ آفتاب

ازاں نور آں چشمِ بینا شدہ ۱۶۴ ازاں عطسہ نورِ مسیحا شدہ

چو بادِ مسیحا علم ساز شد ۱۶۵ ازو مریم آبستنِ راز شد

شدہ انبیا جملہ زد نور یاب ۱۶۶ کم از ذرّہ در پیش آں آفتاب

کہ تا ہستیش در عدم خانہ بود ۱۶۷ وجود اَزْ ہمہ چیز بے گانہ بود

اگر لطفِ اُوْ را نہ بودی نگاہ ۱۶۸ کجا ماند محفوظ یوسف بہ چاہ

کہ اَزْ حُسن وخوبی شدی مایہ دار ۱۶۹ کجا بود بَرْ مصریاں شہر یار

خلیلِ خدا را چو لطفش رسید ۱۷۰ ازاں نار بَرُوے چہ گُلہا رمید

نبودے اگر جودے اُوْ راہبر ۱۷۱ بجودے گے آورد کشتے مقر

گذشت از فلک سایۂ رحِ اُوْ ۱۷۲ نمکدار شد عالم از ملحِ اُوْ

کسے کو طرازش بہ بازو نہاد ۱۷۳ ہمہ گنج ہا در ترازو نہاد

قیامت برائے شفاعت دواں ۱۷۴ ہَمش امتی امتی بر زباں

قدش سروِ آزاد از سایۂ اش ۱۷۵ جہاں جملہ آباد از سایہ اش

تنش رازِ جاں بر تریں پایۂ ۱۷۶ ندیدہ کس از ہیچ جاں سایۂ

ثنایش نہ یارا و امکانِ جاں ۱۷۷ چہ اندازۂ شرح و جائے بیاں

سزاوارِ ہر مدح و ہر آفریں ۱۷۸ کہ مداحش آمد جہاں آفریں

نمیداند اخلاصیؔ ناتمام ۱۷۹ کہ در نعتِ دلکش چہ راند کلام

بسے کز گنہ دامن آلودم ۱۸۰ سزاوارِ آں نام گے بودہ ام

شدم عمر در ناپسندیدہ کار ۱۸۱ ندانم چہ بینم بہ روزِ شمار

قرار از دلم گشت آوارۂ ۱۸۲ بہ جز تو نداند کسم چارۂ

نظر گر زِ راہِ عنایت شود ۱۸۳ ہمہ مشکلاتم کفایت شود

بہ انگشت یک دائرہ بر کشند ۱۸۴ کہ خلقے بہ آمرزگاری رسند

کراہست با تو تصرف بہ کار ۱۸۵ کہ خواہد زِ غفار مشتِ غبار

ہمہ انبیا گر شفاعت گرند ۱۸۶ بہ عالی درت ہم سفارش برند

شوی گر تو پردہ بر انداختہ ۱۸۷ جہان است خرقہ در انداختہ

مرا گوہرِ جاں نثارت بہ نام ۱۸۸ علیک الصلوٰۃ علیک السلام

درودِ خدا ہر دمت بر رواں ۱۸۹ بر آل و بر اصحاب و بر پیرواں

بہ عشقِ ابوبکر ثابت قدم ۱۹۰ زِ مہرِ عمر دَم زنم دم بدم

بہ خورشیدِ عثمان و شمعِ علی ۱۹۱ شبستانِ دینم بود منجلی

ہمہ کارِ اخلاصیؔ ناتمام ۱۹۲ طفیلِ بزرگاں بگیرد نظام

ہمیں بس اگر خود بہی نیستش ۱۹۳ کہ از مقبلاں دل تہی نیستش

جاری---------

☆☆☆

تذکرہ اساتذہ کرام درس گاہ حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی

علامہ حافظ محمد اسلم ☆

حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی کی درسگاہ میں تدریسی فرائض سرانجام دینے والوں میں سے فاضل اجل شیخ الحدیث مولانا نور محمد کی شخصیت بھی سرفہرست ہے۔

☆ ولادت: حضرت مولانا نور محمد کی ولادت تقریباً ۱۸۹۸ء پنڈی گھیب کے دورافتادہ ایک گاؤں ملہووالی میں مولانا فتح محمد کے ہاں ہوئی۔ مولانا فتح محمد ایک زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتے اور اپنے وقت کے جید علما میں شمار ہوتے۔

☆ سلسلہ تعلیم: مولانا نور محمد نے قرآن پاک کی تعلیم اپنے تایا جی کے زیر نگرانی کراڈی ضلع سرگودھا میں حاصل کی۔ مولانا کو حفظِ قرآن کا اس قدر شوق تھا اور اس الہامی کتاب کے ساتھ محبت کا یہ انداز تھا کہ آپ نے گیارہ سال کی عمر میں نہ صرف قرآنِ مجید حفظ کیا بلکہ ایسے جید حافظ بنے کہ آپ روزانہ دس پاروں کی تلاوت ضرور فرماتے۔ حفظِ قرآن کے بعد کتبِ درسیہ کے لیے مولانا غلام رسول خان آنہی کے ہاں حاضر ہوئے اور ان ہی سے درس نظامی کی تکمیل کی۔ قاری عبدالسلام جو کہ مولانا کے شاگرد ہیں، بیان کرتے ہیں کہ استاد صاحب کو اکثر کتب درسِ نظامی حفظ تھیں اور آپ کو حفظِ قرآن کی طرح کتب پڑھنے کا بھی بہت شوق تھا۔ حتیٰ کہ جب آپ مولانا غلام رسول کے درس میں پڑھتے تو آپ روٹیاں محلے سے مانگ کر لاتے۔ ایک دن آپ کو محلے سے روٹیاں لانے میں قدرے تاخیر ہوگئی تو آپ بہت پریشان ہوئے کہ میرے ساتھیوں نے سبق پڑھ لیے ہوں گے اور میرے سبق کا ناغہ ہو جائے گا۔ آپ اسی کشمکش میں مدرسے میں پہنچے تو استاد صاحب سامنے نظر نہ آئے آپ کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ بوجہ

☆ مدرس درسِ نظامی، خانقاہِ معلیٰ حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی، مکھڈ شریف (اٹک)

پریشانی آپ ایک گڑھے میں جا گرے۔ دوسرے ساتھیوں نے پریشانی کی وجہ دریافت کی تو آپ نے کہا کہ میرے سبق کا ناغہ ہو گیا اور استاد صاحب چلے گئے۔ جب ساتھیوں کی زبانی یہ بات استاد صاحب تک پہنچی تو آپ کی اس پریشانی کو دور کرنے کے لیے استاد صاحب نے آپ کو علیحدہ سبق پڑھایا۔ بہرصورت درس نظامی کی تکمیل کے بعد آپ حدیث شریف پڑھنے کے لیے مدرسہ دیوبند میں حاضر ہوئے وہاں آپ نے انور شاہ کشمیری سے بخاری شریف پڑھی۔

☆ مقاماتِ تدریس: حضرت علامہ مولانا موصوف علومِ درسیہ بمع حدیث شریف کی تکمیل کر چکے تو آپ نے سب سے قبل قاری عبدالسلام کے بقول اہلسنت والجماعت کے کسی مدرسے میں پڑھانا شروع کیا لیکن آب و ہوا کی عدم موافقت کی وجہ سے آپ جلد ہی فیصل آباد کسی مدرسے میں پڑھانے کے لیے چلے گئے۔ جہاں آپ کو چالیس روپیہ ماہانہ دیا جاتا۔ بعدہٗ مدرسہ ڈھاویل میں بھی تدریس کرتے رہے۔ اس طرح جامعہ امینیہ، راولپنڈی اور ایک روایت کے مطابق گولڑہ شریف کی درسگاہوں میں بھی پڑھاتے رہے۔ یونہی آپ چار پانچ سال تک خواجہ معظم الدین کے آستانہ معظم آباد شریف میں بھی تدریس کرتے رہے۔ جیسا کہ صاحبزادہ ڈاکٹر معین نظامی (صدر شعبہ فارسی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور) خانقاہ معظمیہ کے اساتذہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ خانقاہ معظمیہ میں درس و تدریس کے سلسلہ میں اپنے وقت کے اکابر علما اہلِ سنت مختلف اوقات میں تشریف لاتے رہے۔ جس میں مولانا عبدالباقی کرسالوی، مولانا غلام محمود پپلانوی اور مولانا نور محمد ملھووالی سرفہرست ہیں۔ یاد رہے کہ مولانا نور محمد مرولہ شریف جانے سے پہلے لِلّٰہ شریف ضلع جہلم میں مولانا غلام نبی لِلّٰہی کی خانقاہ میں بھی پڑھاتے رہے اور مرولہ شریف کی خانقاہ میں جانے کا سبب کیا تھا؟ اس کو صاحبزادہ محمد معظم الحق ''نفحاتِ معظمیہ'' میں بیان کرتے ہیں کہ میں ۱۹۹۲ء میں مولانا نور محمد کی ملاقات کے لیے ان کے گاؤں ملھووالی حاضر ہوا۔ مولانا نور محمد صاحب مسجد کے حجرہ میں تشریف فرماتھے۔ آپ کی ملاقات سے قبل مجھے خاندانی طور پر صرف یہی علم تھا کہ مولانا نور محمد خواجہ سدید الدین کے استادِ گرامی ہیں لیکن جب مولانا صاحب سے ملاقات ہوئی تو آپ

نے اپنی ذاتی یاداشتوں کی کاپی نکالی جس میں لکھا ہوا تھا، کہ میں للّٰہ شریف مولانا غلام نبی کی خانقاہ میں پڑھاتا تھا۔ ایک دن خواجہ محمد حسین صاحب اپنے ایک مرید کے ساتھ مزار شریف پر آئے۔ حاضری کے بعد وہاں تشریف لائے جہاں میں طلبا کو سبق پڑھا رہا تھا۔ کچھ دیر اسباق سنے، پھر چلے گئے۔ چند روز گزرے تو آپ کا ایک مرید فضل الٰہی میرے پاس آیا اور کہا کہ اگر آپ یہاں سے چھوڑ نا چاہتے ہوں تو مجھے ضرور بتایئے گا کیوں کہ مجھے میرے پیر صاحب بتا گئے ہیں کہ مولانا صاحب یہاں چند دن کے مہمان ہیں۔ تم ان سے رابطہ رکھنا اور معظمہ آباد کے لیے ان سے گزارش کرنا۔ اس کے بعد میں نے للّٰہی حضرات سے اجازت چاہی اور معظمہ آباد میں آ گیا۔ خواجہ محمد حسین جو کہ غلام سدید الدین کے والد گرامی ہیں آپ نے مجھ سے چار سال کی مدت میں درسیات کی دوبارہ تکمیل کی اور خواجہ غلام سدید الدین نے ابتدائی فارسی کتب پڑھیں۔ اس کے بعد مولانا نور محمد مکھڈ شریف بھی پڑھاتے رہے۔ مولانا موصوف کو حضرت خواجہ احمد دین مکھڈی نے مولانا عبدالحق بندیالوی کی تعلیم کے لیے مدعو کیا تھا۔ جیسا کہ مولانا عبدالحق خود بیان فرماتے ہیں کہ آستانہ عالیہ مکھڈ شریف خانقاہ مولانا محمد علیؒ مکھڈی کے سجادہ نشین اور میرے فاضلِ یگانہ حضرت مولانا احمد الدینؒ چشتی تونسوی جس سال حج کے لیے تشریف لے گئے تو آپ نے مجھے حکم دیا کہ تو نے میری واپسی تک مکھڈ شریف قیام کرنا ہے۔ چونکہ بندہ تحصیل علم کر رہا تھا اور تکمیل ابھی باقی تھی تو آپ نے میری تعلیم کے لیے مولانا نور محمد ملہو والی کو مدرس مقرر فرمایا۔ مولانا نور محمد علمِ ادب میں مولانا اعزاز علی اور حدیث شریف میں انور شاہ کشمیری کے شاگرد تھے۔ اس کے بعد مولانا نور محمد صاحب تدریس کے لیے میانوالہ دربار عالیہ سلیمانیہ، زمان آباد شریف (پنڈی گھیب) تشریف لے گئے۔ مولانا شاہ منظور ہمدانی فرماتے ہیں کہ مولانا نور محمد اپنے زمانہ کے عظیم مدرس تھے۔ جب میرے والد صاحب نے انھیں میری تعلیم کے لیے کہا تو آپ نے فرمایا کہ آپ کے ہاں بچوں کو پڑھانے کے لیے ایک سال کے لیے آؤں گا اور ساتھ یہ شرط بھی لگا دی کہ آپ مجھے حج بیت اللہ کروائیں گے، تو ان کی یہ شرط میرے والد صاحب نے قبول کر لی۔ نیز

شاہ منظور ہمدانی فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب سے مولانا نور محمد کے بڑے اچھے روابط تھے اور ہر دو جانب عقیدت و محبت یکساں تھی۔ حتیٰ کہ والد گرامی نے وصال سے قبل وصیت فرمائی کہ میری نماز جنازہ مولوی نور محمد ملہووالی سے پڑھوانا۔ اگر وہ کسی عذر کی وجہ سے نہ آسکے تو پھر آستانہ عالیہ مکھڈ شریف سے پیر محمد صالح گل نظامی سے پڑھوانا۔ اتفاق سے والد صاحب کا پہلا جنازہ پیر محمد صالح گل نظامیؒ نے پڑھایا جس میں میری شرکت میں تاخیر ہوگئی۔ تاہم دوسرا جنازہ استاد نور محمد صاحب نے پڑھایا تھا۔ بہرصورت مولانا نور محمد صاحب متعدد مقامات میں تدریس فرماتے رہے۔ بالاخر مجاہدِ اسلام مولانا گل شیر کی فرمائش پر اپنے گاؤں ملہووالی خدمتِ دین کے لیے تشریف لے آئے، جیسا کہ مولانا گل شیر کی سوانح و خدمات میں مذکور ہے کہ مولانا گل شیر نے اپنے گاؤں ملہووالی میں دینی علوم کو فروغ دینے کے لیے مقامی نوجوان عالمِ دین شیخ الحدیث مولانا نور محمد کو بلوا کر ان کے زیرِ اہتمام ''مدرسہ مفتاح العلوم'' کی داغ بیل ڈالی۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ مولانا گل شیر شہید کا نمازِ جنازہ مولانا نور محمد نے ہی پڑھایا تھا۔

☆اندازِ تدریس: مولانا نور محمد کا اندازِ تدریس بہت ہی سہل ہوتا تھا۔ مولانا موصوف کو تمام کتبِ درسیہ میں سے ''ہدایہ شریف'' پڑھانے میں زیادہ شہرت ہوئی۔ آپ کے شاگردوں کے بقول کہ تمام طلبا اسباق کی تیاری اس انداز سے کرتے کہ صبح اسباق میں تقریر بھی خود طلبا ہی کو کرنی ہوتی تھی۔ ہاں اگر کوئی مشکل مقام آجاتا تو استاد صاحب بیان کر دیتے جیسا کہ مولانا عبدالحق بندیالوی بیان کرتے ہیں کہ مولانا نور محمد بڑے صاحبِ ملکہ مدرس تھے۔ اکثر کتب بغیر مطالعہ پڑھاتے تھے اور طریقہ کار یہ تھا کہ سبق کی تقریر طلبا کرتے۔ میں نے مولانا نور محمد سے ''شرح عقائد خیالی'' اور ''مقاماتِ حریری'' اور ''ہدایہ اخیرین'' کے اسباق اسی طرز پر پڑھے تھے۔ اسی طرح مولوی مقبول حسین (جنڈ) اور مولوی نور محمد (سورگ) بیان کرتے ہیں کہ استاد صاحب کا اندازِ تدریس ''ہدایہ شریف'' کے پڑھانے میں باقی اسباق سے منفرد ہوتا۔ حتیٰ کہ آپ ''ہدایہ'' میں مذاہبِ اربعہ کے دلائل بیان کرنے کے بعد مذہب احناف کو اس انداز میں بیان فرماتے کہ

مذہب احناف باقی مذاہب سے راجح اور اقویٰ ہوتا۔

☆ مولانا کا عقیدہ: حضرت مولانا نور محمد اگرچہ فاضل دار العلوم دیوبند تھے لیکن عقیدہ و مسلک کے حوالے سے آپ صحیح العقیدہ اور معمولاتِ اہلسنت کے صرف قائل ہی نہیں بلکہ عامل بھی تھے۔ آج بھی عینی شواہد موجود ہیں کہ مولانا دعا بعد از نمازِ جنازہ اور حیلۂ اسقاط کا خود اہتمام فرماتے تھے۔ آپ کے ایک شاگرد شاہ منظور ہمدانی بیان کرتے ہیں کہ جب مولانا نور محمد نے میرے والد گرامی کا جنازہ پڑھایا تو بعدہٗ باقاعدہ دعا فرمائی۔ یوں ہی حیلۂ اسقاط کے متعلق آپ کے شاگرد مولانا نور محمد (سورگ) بیان کرتے ہیں کہ میں نے استاد صاحب سے حیلۂ اسقاط کے متعلق سوال کیا، کہ یہ حیلہ کیوں کیا جاتا ہے؟ حالانکہ اس میں کئی خرابیاں بھی ہوتی ہیں، تو استاد صاحب نے فرمایا کہ مولوی صاحب اگر خدا کسی کا یہ حیلہ قبول کر لے تو تجھے اس میں کیا اعتراض! یہاں تک کہ استاد صاحب حیلۂ اسقاط کے جواز پر قرآنی آیات بطورِ دلیل پیش کرتے۔ ایک روایت سے معلوم ہوا کہ مولانا کی ہمشیرہ وصال کے بعد اُن کے خواب میں آئیں۔ حالتِ خواب میں مولانا سے کہا۔ میں یہاں تکلیف میں ہوں میرے لیے کوئی حیلہ کریں تو مولانا نے تمام طلبا کو بٹھا کا بنفسِ نفیس قرآنِ کریم اور کچھ غلہ جات کے ذریعے سے طلبا سے حیلہ کروایا۔ لہٰذا مولانا کی شخصیت عقائدِ صحیحہ میں بے داغ ہے اور مولانا کی بعیت سلسلہ چشتیہ نظامیہ سے تھی۔ کچھ حضرات کا خیال ہے کہ آپ کی بیعت مولوی احمد خاں المعروف ثانی صاحب میروی سے تھی۔ بہر دو صورت مولانا کا روحانی تعلق میرا شریف کے ساتھ ضرور تھا۔ سید منظور شاہ ہمدانی بیان کرتے ہیں کہ میں جب آپ کے پاس مہلووالی تعلیم حاصل کر رہا تھا تو آپ ہر جمعرات کو باقاعدہ میرا شریف حاضری کے لیے جاتے تھے۔ نیز مولانا کے غیر متعصب ہونے کا اندازہ درج ذیل واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔ ایک دفعہ پنڈی گھیب کسی مقام میں خواجہ غلام زین الدین ترگوی تقریر فرما رہے تھے، دورانِ تقریر آپ نے ایک حدیث شریف بیان فرمائی جس کے الفاظ یہ تھے۔ ”رجل اسود“ خواجہ صاحب نے اس کا معنیٰ کیا ”کالا آدمی“ تو مولانا شمس الدین ناڑوی بھی پنڈی گھیب گیا ہوا تھا اس نے خواجہ

صاحب کی تقریر میں یہ الفاظ سنے یا کسی نے بتائے تو تعصب کی وجہ سے اس نے کہا کہ پیر صاحب نے حدیث کا معنیٰ غلط کیا ہے یہاں اس کا معنی کالا آدمی نہیں بلکہ مثل کے ہے۔ جب مولانا نور محمد صاحب سے کسی نے یہ سارا ماجرا بیان کیا کہ کس کی بات درست ہے؟ مولانا صاحب فرمانے لگے کہ غلام زین الدین ترگویؒ نے جو حدیث کا معنی کیا ہے اس میں کوئی قباحت نہیں ہے کیوں کہ لفظ کے دو معنی ہوتے ہیں ایک لغوی اور ایک مصطلح۔ یہاں پیر صاحب نے مصطلح کے بجائے معنیٰ لغوی کر دیا تو اس میں کیا حرج ہے۔ نیز خوش طبعی کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ چوں کہ مولوی شمس الدین رنگ کا کالا ہے اس لیے اسے پیر صاحب کا معنیٰ اچھا نہ لگا۔ یوں ہی مولانا نور محمد، علمِ غیب عطائی اور ذاتی کی تقسیم کے بھی قائل تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیا کو علمِ غیب عطا فرمایا اور علمائے دیوبند کا بھی یہی عقیدہ ہے بلکہ آپ مولوی غلام محمد خان کے بارے میں فرماتے کہ یہ عقیدہ میں فرقہ معتزلیہ کے ہم خیال ہے۔

مولوی غلام محی الدین خواجہ احمد الدینؒ مکھڈوی کے مرید بیان کرتے ہیں کہ مولانا نور محمد متعدد مدارس میں تدریس کرنے کے بعد اپنے گاؤں ملہو والی تشریف لائے تو آپ کو مختلف مدارس میں تدریس کے لیے پیش کش ہوئی لیکن آپ فرماتے کہ میں تدریس کے لیے میرا شریف یا مکھڈ شریف کے مدارس میں جاؤں گا۔ اس کے علاوہ حاجی سمندر خان (سورگ) بیان کرتے ہیں کہ ہمارے گاؤں سورگ میں میلاد شریف کا عرس بہت دھوم دھام سے ہوا کرتا تھا، (بحمدہٖ تعالیٰ اب بھی ہوتا ہے) جس میں اپنے وقت کے جید علما تشریف لاتے ہیں۔ ایک دفعہ خواجہ غلام زین الدین ترگوی بمع مولانا نواب علی خان مگھیاں، پیر صاحب کے اعزاز میں تشریف لائے تھے۔ آپ کی ملاقات کے لیے ہمارے بیٹھک میں لوگوں کا جم غفیر تھا۔ کسی آدمی نے خواجہ زین الدین سے سوال کیا کہ یہاں نور محمد ملہو والی والے بھی تقاریر کے لیے آتے رہتے ہیں۔ ان کے متعلق بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ دیوبندی ہیں۔ آپ ہماری راہنمائی فرمائیں۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ مولوی مذکور خوش عقیدہ آدمی ہے۔ موجودہ دیوبندی جیسا عقیدہ نہیں رکھتا۔ اگر اس کے

عقیدے میں کوئی ایسی بات ہوتی تو وہ اپنی تقریر میں اس کا اظہار ضرور کرتا۔ خواجہ صاحب کے یہ الفاظ تھے تو لوگوں میں کچھ نے کہا کہ وہ قبلہ ثانی صاحب کے مرید ہیں تو پیر صاحب فرمانے لگے، جب مرید ہیں تو پھر ان کا عقیدہ کیسے غلط ہوسکتا ہے۔ باقی رہا دیوبند سے تعلیم کا حصول تو اس سے آدمی دیوبندی عقیدہ نہیں بن جاتا، وگرنہ میں نے بھی حدیث شریف مولانا انور شاہ کشمیری سے ہی پڑھی ہے۔ اس کے بعد اہلیانِ سورگ مولانا کو خندہ دلی سے میلاد شریف کے لیے دعوت دیتے۔

مولانا نور محمد سورگ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ مولانا صاحب مسجد میاں میں میلاد شریف کے سلسلے میں تشریف لائے۔ ہم نے الوداع کرتے وقت پانچ روپے پیش کیے۔ آپ نے لینے سے انکار فرما دیا کہ اگر آپ حضور ﷺ کے امتی ہیں تو میں بھی امتی ہوں میرا بھی حق بنتا ہے کہ حضور ﷺ کے میلاد کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے بیان کروں۔

☆مولانا کی پرہیزگاری: مولانا نور محمد انتہائی صاحب ورع شخصیت کے حامل تھے آپ کے ایک شاگرد قاری عبدالسلام بیان کرتے ہیں کہ میری عمر کا اکثر حصہ استاد صاحب کی معیت میں گزرا۔ استاد صاحب پورا دن سبق پڑھاتے۔ جب ہم رات کو سو جاتے تو استاد صاحب عبادت میں مشغول ہو جاتے اور جب ہم صبح بیدار ہوتے تو آپ کو عبادت ہی میں مشغول پاتے۔ ایک دفعہ آپ نے کچھ دیر کسی کے ہاں آرام کرنا تھا۔ آپ کو آرام کے لیے جس کمرہ میں لایا گیا وہاں ایک دو تصویریں لٹکی ہوئیں تھیں۔ مولانا نے فرمایا! پہلے تصویریں (اتارو) پھر میں کمرے میں آؤں گا۔ یوں ہی مولانا غلام محی الدین زیدہ مجدہ مکھڈ شریف بیان کرتے ہیں کہ میں نے اساتذہ کرام میں سے دو آدمیوں سے زیادہ صاحبِ تقویٰ کوئی آدمی نہیں دیکھا۔ ایک مولانا نور محمد ملھو والی سرکار اور دوسرے مولانا عبدالحق افغانوی۔ علاوہ ازیں مولانا صاحب کشفِ اولیاء کے نا صرف قائل تھے بلکہ آپ اولیائے کرام کے مکاشفات و کرامات کو برملا بیان بھی فرماتے تھے۔ آپ ہمیشہ اپنے وقت کے اہل اللہ سے قلبی رابطہ و استفادہ کرتے رہے۔

☆☆☆☆☆

پیغامِ اقبال

مسلمان کا زوال

علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ

اگرچہ زر بھی جہاں میں ہے قاضی الحاجات — جو فقر سے ہے میسر تونگری سے نہیں!
اگر جواں ہوں مری قوم کے جسور و غیور — قلندری مری کچھ کم سکندری سے نہیں!
سبب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے — زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں
اگر جہاں میں مرا جوہر آشکار ہوا
قلندری سے ہوا ہے، تونگری سے نہیں!

☆☆☆☆☆

تربیت

زندگی کچھ اور شے ہے، علم ہے کچھ اور شے — زندگی سوزِ جگر ہے، علم ہے سوزِ دماغ
علم میں دولت بھی ہے، قدرت بھی ہے، لذت بھی ہے — ایک مشکل ہے کہ ہاتھ آتا نہیں اپنا سُراغ
اہلِ دانش عام ہیں، کم یاب ہیں اہلِ نظر — کیا تعجب ہے کہ خالی رہ گیا تیرا ایاغ!
شیخ مکتب کے طریقوں سے کشادِ دل کہاں — کس طرح کبریت سے روشن ہو بجلی کا چراغ

☆☆☆☆☆

ہمدردی اور غم خواری کا مہینہ

حضرت علامہ صاحبزادہ بشیر احمد☆

یا ایھا الذین اٰمنو ا کتب علیکم الصیا م کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقو ن . (القرآن۔ پارہ نمبر۲۔ سورۃ البقرۃ)

ترجمہ: اے ایمان والوتم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے قبل لوگوں پر فرض تھے۔ شاید کہ تم متقی بن جاؤ۔

ملتِ اسلامیہ کے لیے رمضان المبارک موسمِ بہار ہے۔ آمدِ رمضان کے لیے جنت کی آرائش اور زیب وزینت کی جاتی ہے۔ رمضان شریف کی پہلی رات عرش کے نیچے سے ایک خوشبودار ہوا چلتی ہے جس سے تمام جنت معطر ہو جاتی ہے۔ حور وقصور اور اہلِ جنت کو معلوم ہو جاتا ہے کہ زمین پر مقدس مہینہ شروع ہو چکا ہے۔ زمین پر اعلانِ خداوندی ہو جاتا ہے کہ موسمِ بہار آچکا ہے۔ جنت اور آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں۔ آؤ رحمت کے باغوں سے لطف اندوز ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کا ابرِ رحمت خوب کھل کر برستا ہے۔ اتنی رحمت اور برکت نازل ہوتی ہے کہ ہر رات یہ اعلان ہوتا ہے کہ ہے کوئی بخشش ومغفرت کا طالب، ہے کوئی یومِ آخرت کا طلبگار کہ اسے اپنی مطلوبہ چیز عطا کی جائے۔ اس ماہِ مبارک میں رحمت کی ہواؤں کے جھونکے اہلِ اسلام کی روحوں کو مست و بے خود کر دیتے ہیں۔ دلوں کی کلیاں کھل جاتی ہیں۔ عبادات سے مسلمان اسطرح سرسبز ہو جاتے ہیں جس طرح موسمِ بہار میں درخت سرسبز ہو جاتے ہیں اور ہر ٹہنی پر پھل پھول اور

....

☆ حضرت غلام زین الدینؒ ترگوی کے پوتے، اسلامی علوم پر گہری نگاہ رکھتے ہیں۔ مدرسہ عالیہ زینت الاسلام کے ناظمِ اعلیٰ۔

شگوفے نظر آتے ہیں۔روزہ رکھنے اور عبادات بجالانے کی وجہ سے مسلمانوں کے جسموں پر اتنی ترو تازگی اور حسن آجاتا ہے کہ جنت کی حوریں دُعا کرتی ہیں یا اللہ ہمیں ان حسین لوگوں کا وصل عطا فرما۔اگر رمضان جیسے موسم بہار میں کوئی شخص روزہ نہیں رکھتا اور عبادات سے سرسبز نظر نہیں آتا تو غور کرنا چاہیے کہ کہیں غیر شعوری طور پر اس کا رابطہ شجرِ ملتِ اسلامیہ سے منقطع تو نہیں ہو چکا۔کہ جس طرح خشک ٹہنی کا تعلق درخت سے منقطع ہو جاتا ہے اور وہ جلانے کے قابل ہو جاتی ہے۔

روزہ کی ابتدائی کیفیت: نماز اور زکوٰۃ کے فرض ہونے کے بعد ہجرت کے اٹھارہویں مہینہ ۱۰ شعبان المعظم کو رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے۔ابتدائے اسلام میں رمضان المبارک کی فرضیت سے قبل مسلمانوں پر عاشورہ کا روزہ فرض تھا۔کچھ مدت کے بعد دس محرم کے روزہ کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔پھر اس کے بعد ہر اسلامی مہینہ کے تین یوم ۱۳،۱۴،۱۵ کے روزے فرض ہوئے۔ان کو ایام بیض بھی کہا جاتا ہے۔ایام بیض کی منسوخی کے بعد ۲ ہجری میں رمضان المبارک کی فرضیت نازل ہوئی۔ابتدائے اسلام میں اختیار دیا گیا تھا کہ جو انسان روزہ نہ رکھے تو روزہ کے فدیہ میں کسی مسکین کو نصف صاع گندم یا ایک صاع جَو ادا کرے۔(**وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين.** القرآن) اس کے حکم کے باوجود روزہ رکھنا بہتر تھا۔(**وان تصوموا خير لكم**)(ترجمہ)تم میں سے جو بھی یہ مہینہ پائے۔ضرور روزہ رکھے۔ ہر آدمی پر روزہ رکھنا لازمی قرار دے دیا گیا۔یعنی دن اور رات دونوں روزہ میں شامل تھے۔صرف غروبِ آفتاب سے نمازِ عشاء تک مختصر سے وقت میں کھانے، پینے اور جماع کرنے کی اجازت تھی۔جیسا کہ حدیثِ پاک میں تفصیل ہے۔

كان الناس علىٰ عهد النبى ﷺ اِذ صلو العتمة حرم عليهم الطعام و شرب والنساء (الحديث)

نمازِ عشاء ادا کرنے کے بعد آئندہ دوسرے دن غروبِ آفتاب تک روزہ رکھنا لازم ہو جاتا۔اگر کوئی شخص غروبِ آفتاب سے نمازِ عشاء تک درمیانی وقت میں سو بھی جاتا تو اس پر

کھانا پینا حرام ہو جاتا تھا۔ افطاری کا وقت نہایت مختصر تھا۔ نمازِ عشاء کی ادائیگی کے بعد رات کو کھانا پینا، اور جماع کرنا ممنوع تھا۔ کچھ سالوں تک معاملہ اسی طرح چلتا رہا۔ حتیٰ کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے دو واقعات صادر ہوئے۔ پہلا واقعہ یہ تھا کہ بعض صحابہ کرام رمضان المبارک کی رات میں اپنی عورتوں سے جماع کر بیٹھے۔ اپنے فعل پر نادم ہو کر بارگاہِ شفیع المذنبین میں حاضر ہوئے اور معافی کے خواستگار ہوئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کے صدقہ کرم فرمایا۔ وحی نازل ہوئی اور حکم فرمایا:

احلّ لکم لیلۃ الصیام الرفث الیٰ نسائکم (سورۃ البقرۃ، پارہ ۲)

ترجمہ: رمضان کی راتوں میں تمہارا، اپنی عورتوں کے ساتھ جماع کرنا حلال ہوا۔

دوسرا واقعہ یہ تھا کہ ایک صحابی قیس بن صرمہ انصاری مدینہ شریف کے باغات میں مزدوری کرتے تھے۔ ایک دن اجرت میں کچھ کھجوریں لے کر گھر واپس آئے۔ گھر میں آٹا نہ تھا۔ اہلیہ کو حکم دیا کہ پڑوسی سے ان کھجوروں کے بدلے میں آٹا لے آؤ، اور روٹی تیار کر دو۔ افطاری کا وقت بھی قریب تھا۔ اہلیہ جب پڑوس سے آٹا لے کر واپس آئیں تو قیس بن صرمہ دن بھر کے کام کی تھکاوٹ کی وجہ سے سو چکے تھے۔ بیوی کو بڑا افسوس ہوا۔ کیونکہ افطاری کے اس درمیانی وقت میں سو جانے کی وجہ سے بھی کھانا پینا حرام ہو جاتا تھا۔ اب قیس بن صرمہ پر کھائے پیئے بغیر آئندہ دوسرے دن غروبِ آفتاب تک روزہ لازم ہو چکا تھا۔ جب دوسرے دن دوپہر کا وقت آیا تو یہ انصاری صحابی بے ہوش ہو گئے۔ رحمتِ عالم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں صحابی کی حالت بیان کی گئی۔ آپ کو اپنی امت پر رحم آیا۔ فوراً وحی آئی، حکم تبدیل ہو گیا۔ اور نئے حکم میں رات روزے سے خارج ہو گئی۔ ارشاد ہو:

وکلوا وشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود (سورۃ البقرۃ۔۲)

ترجمہ: اور کھاؤ، پیئو یہاں تک کے تمہارے لیے سفیدی کا ڈورا سیاہی کے ڈورے سے ظاہر ہو

جائے۔

سفیدی کے ڈورے سے مرادِ صبح صادق کا وقت ہے۔ یعنی کھاؤ، پیو، یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جائے۔ بخاری شریف میں حدیث شریف کے الفاظ ہیں:

ففرحوا بها فرحاً شديداً

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس آیت کے نازل ہونے پر بہت خوش ہوئے۔ اس آیتِ مبارکہ سے شانِ مصطفیٰ ﷺ جھلک رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ ﷺ کا کتنا عظیم مقام ہے۔ سابقہ شرائع میں روزے کے جاری طریقہ کار کو نبی ﷺ کی خواہش پر تبدیل کر دیا گیا اور روزہ سے رات کو نکال دیا۔ روزہ ایک ایسی مقدس عبادت ہے جو دوسری تمام عبادات سے ایک منفرد اور جداگانہ حیثیت رکھتی ہے اور اس کی یہ انفرادیت کئی وجوہ سے ہے۔

۱۔ ہر عبادت کو ادا کرتے وقت انسان ایک کیفیت، ایک ہیت کے ساتھ متصف ہوتا ہے۔ جس کیفیت کو دیکھ کر پتا چل جاتا ہے کہ انسان فلاں عبادت میں مشغول ہے۔ مثلاً نماز ادا کرتے وقت انسان قیام، رکوع، سجود کرتا ہے۔ دیکھنے والے کو معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں شخص نماز پڑھ رہا ہے۔ اس طرح احرام کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ محرم حج یا عمرہ کی عبادت میں مشغول ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت فقیر کو معلوم ہو جاتا ہے کہ مجھے زکوٰۃ یا صدقہ کی رقم مل رہی ہے۔ غرض یہ کہ ہر عبادت اپنی علامت کی وجہ سے پوشیدہ نہیں رہتی۔ لیکن روزہ ایک ایسی پوشیدہ علامت ہے کہ جس کی کوئی ظاہری علامت یا کیفیت نہیں بلکہ یہ ایک راز ہے کہ اگر روزہ دار خود نہ بتائے تو کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ فلاں شخص روزہ دار ہے۔

۲۔ روزہ دار اگر بھول کر بھی کھا، پی لے تو اُس کی عبادت میں فرق نہیں پڑتا ہے، لیکن نمازی، حالتِ نماز میں بھول کر کھا، پی لے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ کوئی شخص حالتِ احرام میں جماع کر لے تو اُس کا حج، عمرہ فاسد ہو جاتا ہے۔

۳۔ ہر عبادت اپنے مخصوص وقت میں ادا کی جاتی ہے۔ عبادت کی ادائیگی کے بعد کافی

وقت بچ جاتا ہے۔ کیونکہ اپنے مقررہ وقت کے مختصر سے حصہ میں ادا ہو جاتی ہے، مثلاً نمازِ فجر کا وقت طلوعِ صبح صادق سے طلوعِ آفتاب تک ہے۔ جو تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کا دورانیہ بنتا ہے۔ اب نمازِ فجر کی ادائیگی پورے وقت کا احاطہ نہیں کرتی ہے، بلکہ فقط پندرہ منٹ میں نماز ادا ہو جاتی ہے۔ باقی وقت بچ جاتا ہے۔ اسی طرح حج کی ادائیگی کا وقت تقریباً اڑھائی ماہ ہے۔ لیکن حج فقط پانچ دنوں میں ادا ہو جاتا ہے۔ مگر روزہ ایک اسی منفرد عبادت ہے جس کی ادائیگی اپنے تمام وقت کا احاطہ کرتی ہے، یعنی طلوعِ فجر سے لے کر غروبِ آفتاب تک پورے کے پورے وقت میں انسان روزہ دار ہوتا ہے۔ کوئی ایک لمحہ بھی روزہ کی عبادت سے خالی نہیں ہوتا۔ تمام وقت حالتِ عبادت میں ہوتا ہے۔ اس لیے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا!

کہ روزہ دار کسی کو گالی نہ دے، جھوٹ نہ بولے، آنکھ غیر محرم کی طرف نہ اٹھائے، اپنے ہاتھ کو حرام سے روکے، کیونکہ وہ حالتِ عبادت میں ہے۔ روزہ کی عبادت اپنے مقرر کردہ تمام وقت پر محیط ہے۔ اس لیے روزہ دار کی نیند، اُس کی گفتگو تمام عبادت میں شمار کی جاتی ہے۔ روزہ دار کا سانس لینا بھی عبادت ہے۔ یعنی اگر روزہ دار نماز، تلاوت وغیرہ میں مشغول نہ ہو، تب بھی اُس کا فارغ وقت عبادت میں شمار کیا جاتا ہے۔ نیند کے خراٹے لے رہا ہے، تب بھی عبادت کا ثواب مل رہا ہے۔ اہلِ خانہ کے ساتھ محوِ گفتگو ہے پھر بھی آخرت کے لیے پونجی جمع کر رہا ہے۔ محنت مزدوری کر رہا ہے۔ اُس وقت بھی روزہ کی عبادت کا ثواب مل رہا ہے۔ جبکہ دیگر عبادات میں یہ صورتِ حال نہیں ہوتی، نماز پڑھتے وقت نیند، گفتگو، محنت مزدوری تمام ناجائز اور حرام ہیں۔

۴۔ **لم یعبد احد غیر اللہ بالصوم**

ترجمہ: روزہ کے ساتھ غیر اللہ کی عبادت نہیں کی گئی۔

یعنی کفار نماز کی صورت میں بتوں کو سجدہ کرتے تھے، اس طرح بتوں کا طواف بھی کرتے تھے، اور صدقہ کی صورت میں بھی بتوں کی عبادت کرتے تھے لیکن کسی کافر نے بت کی تعظیم

میں روزہ نہیں رکھا۔ یہ بھی باقی عبادات سے ایک انفرادیت کا مقام ہے۔

۵۔ روزہ کی عبادت میں ریا کاری نہیں ہے کیونکہ کہ ایک مخفی عبادت ہے جس کی کوئی ظاہری کیفیت نہیں جبکہ ریا کا تعلق ظاہری کیفیت سے ہوتا ہے کہ انسان اس ظاہری کیفیت کو ریا کا ارتکاب کرتا ہے

۶۔ ان اللہ منفرد بعلم مقدار ثواب الصوم

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ہر عبادت کا ثواب اپنے بندوں کو بتا دیا لیکن روزہ کی عبادت کا ثواب پر کسی کو مطلع نہیں کیا۔

الصو م لی و انا اجز ی به

ترجمہ: کہ روزہ میرے لیے ہے اور اس کی جزا میں خود دوں گا۔

اب کتنی جزا (ثواب) دے گا اس کی مقدار کا تعین نہیں کیا۔ یعنی اجرِ کثیر عطا کروں گا۔ اس بات کی تائید قرآنِ پاک کی آیت بھی کرتی ہے۔

انما یوفی الصابرون اجرھم بغیرِ حساب .

ترجمہ: یعنی صبر کرنے والوں کو اتنا ثواب دیا جائے گا جو کسی حساب و کتاب میں شمار نہیں کیا جا سکے گا۔ اکثر مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں صابروں سے مراد روزہ دار ہیں۔ باقی عبادات کے متعلق حدیثِ پاک میں قاعدہ یہ ہے:

کل حسنته بعشر امثالھاالا سبع ما ئة ضعف اسلا م.

ترجمہ: ہر نیکی کا ثواب دس گناہ سے سات سو گناہ تک دیا جاتا ہے (واللہ یضاعف لمن یشاء) اور سات سو گناہ سے بھی جس کے لیے چاہے اس کا ثواب زیادہ فرماتا ہے۔ اگر کسی نیکی کا ثواب سات سو گناہ سے بھی زیادہ ہو جائے تو پھر بھی یہ ثواب کم ہے روزہ کے ثواب سے۔ کیونکہ روزہ کو باقی تمام نیکیوں کے ثواب کے حکم سے مستثنٰی قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ روزہ کے ثواب کو عدد میں محدود نہیں کیا گیا۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: **الصوم لی و انا اجزی به (الکریم**

اذا خبر ہا نہ یتولیٰ بنفسہ الجزاء اقتضیٰ عظمۃ و وسعۃ)

ترجمہ: جس نیکی کی جزا (ثواب) عطا کرنے میں اللہ تعالیٰ خود متولی ہو اس جزا کی عظمت اور وسعت کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ یہاں ثواب عطا کرنے کی نسبت خود اپنی طرف فرمائی۔ باقی عبادات کی طرح ثواب دینے کا حکم کسی فرشتے کو نہیں دیا۔ فرمایا۔ بندہ میری رضا کے لیے، کھانا، پینا، چھوڑ دیتا ہے۔ بندہ کے اس فعل پر کوئی شخص مطلع نہیں رہتا جب کوئی شخص اس عبادت پر مطلع نہیں ہے تو میں بھی اس کا ثواب عطا کرتے وقت کسی کو مطلع نہیں کروں گا۔ کہ کتنی حد تک ثواب دیا گیا ہے۔ جو لوگ اس عظیم الشان عبادت کی قدر نہیں کرتے ہیں وہ بڑے بد بخت اور بد نصیب ہوتے ہیں۔ روزہ نہ رکھ کر اتنے عظیم اجر و ثواب سے محروم ہو جاتے ہیں اور لا محدود اجر و ثواب کو چند روزہ زندگی کی عیش و عشرت پر قربان کر دیتے ہیں۔

۷۔ ما فی عمل ابنِ آدم شی الا ویذھب بر دالمظالم الا الصومِ و انہ لایدخلہ قصاص۔ (الحدیث) ترجمہ: مظلوم قیامت کے دن خدا کی بارگاہ میں فریادی ہوں گے کہ فلاں شخص نے ہم پر ظلم کیا۔ میرا مال زمین غصب کی ہے۔ اب قیامت میں مظلوم کو اپنا مال اور جائیداد تو واپس نہیں مل سکتے کیونکہ وہ تو دارِ آخرت ہے۔ قصاص یعنی ظلم کا بدلہ اس طرح دیا جائیگا کہ ظالم سے اس کی نیکیاں ،عبادات حج صدقات وغیرہ لے کر مظلوم کو دیا جائے گا اور حساب پورا کیا جائیگا۔ حتیٰ کہ ظالم کے تمام نیک اعمال مکافات میں مظلوم کو دیئے جائیں گے اور وہ شخص خالی ہاتھ رہ جائے گا، لیکن ایک عبادت ایسی ہے جو مکافات میں مظلوم کو نہیں دی جائے گی۔ فرشتے مظلوم کا حساب پورا کرنے کے لیے ظالم سے روزہ بھی لینا چاہیں گے لیکن اللہ تعالیٰ فرشتوں کو روک دے گا۔ اللہ فرمائے گا۔ الصوم لی۔ یہ مخفی عبادت خاص میرے لیے ہے یہ قصاص میں نہیں دی جاسکتی۔

اس حدیثِ پاک سے یہ مفہوم اخذ کیا گیا کہ قیامت کے دن نماز، صدقات، حج، زکوٰۃ اور دوسرے اعمال انسان کا ساتھ چھوڑ سکتے ہیں لیکن روزہ انسان کے ساتھ رہے گا۔ اور یہی انسان کی نجات کا سبب بنے گا۔

اس لیے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: علیک بالصوم فا نہ لا عدیل لہ۔ (الحدیث)

ترجمہ: لوگو روزہ کو لازم پکڑو، کیونکہ اس کی مثل کوئی عبادت نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆

معراجِ نبوی

علی صاحبہ الصلاۃ والسلام

علامہ بدیع الزماں نورسیؒ

(تنبیہ)

یاد رہے کہ معراج کا مسئلہ وہ نتیجہ ہے جو کہ ایمان کے اصول وارکان پر مترتب ہوتا ہے، اور وہ نُور ہے جو کہ اپنی درخشندگی ایمان کے ارکان کے انوار سے حاصل کرتا ہے۔ اس لیے اسے اَرکانِ ایمان کے منکر بے دین ملحدوں کے سامنے ثابت نہیں کیا جاتا ہے؛ اِس کی وجہ یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کو نہیں جانتے، نبی کو نہیں پہچانتے اور ملائکہ کا اور آسمانوں کے وجود کا انکار کرتے ہیں، ان کے لیے معراج کے بارے میں بحث نہیں کی جاتی۔ اس لیے پہلے ان ارکان کو ثابت کرنا لازم ہے۔۔۔ بنابریں، اس ضمن میں ہمارا مخاطب وہ مومن آدمی ہوگا جو کہ شک ووسوسہ کا شکار ہو کر معراج کو بعید از عقل سمجھتا ہے، چنانچہ ہماری یہ گفتگو بنیادی طور پر تو اُس کے لیے ہوگی، البتہ کبھی کبھار اس کا رُخ اس ملحد کی طرف بھی ہو جائے گا جو کہ سُننے پر آمادہ ہے۔۔۔ اور یوں گفتگو کا یہ سلسلہ اُس کے لیے بھی چل نکلے گا۔۔۔

معراج کی حقیقت کے بارے میں کچھ لمعات پراگندہ صورت میں مختلف مقالات میں ذکر کیے گئے تھے، بعد میں اپنے بھائیوں کے اصرار پر اللہ سے توفیق مانگی اور انہیں متفرق مقامات سے اُٹھا کر اصل حقیقت کے ساتھ یکجا کر دیا، تاکہ یہ کمالاتِ محمدیہ علیہ الصلاۃ والسلام کو بیک وقت منعکس کرنے والا آئینہ بن جائیں۔۔۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَہُ لِنُرِیَہُ مِنْ آیَاتِنَا اِنَّہُ ھُوَالسَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴾(۱)

﴿اِنْ ھُوَ اِلَّاوَحْیٌ یُوْحٰی عَلَّمَہُ شَدِیْدُ الْقُوٰی ذُوْمِرَّۃٍ فَاسْتَوٰی وَھُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی o ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی o فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْاَدْنٰی o فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَااَوْحٰی o مَاکَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰی o اَفَتُمَارُوْنَہُ عَلٰی مَایَرٰی o وَلَقَدْ رَآہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی o عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَھٰی o عِنْدَھَاجَنَّۃُ الْمَاْوٰی o اِذْیَغْشَی السِّدْرَۃَ مَایَغْشٰی o مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی o لَقَدْ رَاٰی مِنْ آیَاتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی﴾ (۲)

پہلی عظیم الشان آیت کے خزینۂ عظمیٰ سے ہم بلاغت کے دستور کی رُو سے ''اِنَّہٗ'' کی ضمیر میں پائی جانے والی دو رمزوں کا ذکر کریں گے، اِس کی وجہ یہ ہے ان دو رَمزوں کا ہمارے اس مسئلے کے ساتھ گہرا تعلق ہے، جیسے کہ ''اعجاز القرآن کی بحث'' میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔۔۔

قرآن حکیم جب رسول حبیب V کے اُس سفر کا ذکر کرتا ہے جو مسجدُ الحرام سے لے کر آپ V کے مبدأ معراج یعنی مسجد اقصیٰ تک ہوا ہے، تو آخر میں کہتا ہے: ﴿اِنَّہُ ھُوَالسَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴾۔اور ''اِنَّہٗ'' میں پائی جانے والی (ہٗ) ضمیر اس کلام کے ذریعے معراج کی اُس انتہا کی طرف اشارہ کرتی ہے جس کی طرف سورت ﴿وَالنَّجْمِ اِذَاھَوٰی﴾ میں اشارہ پایا جاتا ہے۔اب یہ ضمیر یا تو حق تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور یا نبی V کی طرف۔

پس اگر ضمیر نبی V کی طرف راجع ہے تو پھر قانونِ بلاغت اور سیاقِ کلام کی مناسبت،

دونوں یہ مفہوم دے رہے ہیں کہ: اس جزوی سیاحت میں سیرِ عمومی اور عروجِ کُلی پایا جاتا ہے، یعنی اللہ فرماتا ہے:

اسمائے الٰہیہ کے کلی مراتب میں ارتقائی عمل کے دوران حتیٰ کہ سدرۃُ المنتہی اور قابَ قوسین تک پہنچنے تک جو بھی ربانی آیات اور صنعتِ الٰہیہ کے عجائبات آپ V کی آنکھ اور کان کے ساتھ دوچار ہوئے، آپ نے انھیں دیکھا اور سُنا۔ اور یوں وہ اس چھوٹی سی جزوی سیاحت کو یوں ظاہر کرتا ہے کہ یہ ایک کلی سیاحت کی مفتاح اور محشرِ عجائب ہے۔۔۔

اور اگر ضمیر جنابِ حق کی طرف راجع ہے تو پھر اس کا مفہوم کچھ یوں ہوگا:

اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو ایک سیاحت میں اپنے حضور میں بُلایا، چنانچہ اُسے کچھ ذمہ داریاں دینے کے لیے مسجدُ الحرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جو کہ مجمع الانبیاء ہے، پس وہاں اُس کا دوسرے انبیاء کے ساتھ اجتماع کروایا اور اُنھیں کو دکھایا کہ تمام انبیاء کے ادیان کے اُصول کا وارث مطلق اب وہ ہے۔ پھر اُسے اپنے ملک وملکوت میں گھمایا پھرایا حتیٰ کہ سِدرۃُ المنتہیٰ اور قاب قوسین تک پہنچادیا۔

پس وہ اگرچہ ایک عبد ہے، اور وہ سیاحت اگرچہ ایک جزوی معراج ہے، لیکن وہ عبد ایک ایسی امانت کا حامل ہے جس کا تعلق تمام کائنات کے ساتھ ہے، اور اس کے ہمراہ ایک نُور ہے جو اس کائنات کا رنگ تبدیل کیے جا رہا ہے، اور اس کے پاس ایک چابی ہے جس کے ساتھ وہ ابدی سعادت کے دروازے کھول رہا ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ اپنے بارے میں کہتا ہے کہ: وہ تمام اشیا کو دیکھتا اور سنتا ہے اور اُس امانت کو، اُس نُور کو اور اُس چابی میں پائی جانے والی ایسی حکمتوں کو آشکار کرتا ہے جو کہ تمام کائنات کو شامل ہیں، تمام مخلوقات پر چھائی ہوئی ہیں اور تمام کون ومکاں کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔۔۔

اس عظیم الشان راز کی چار بنیادیں ہیں:

اول: معراج کے ضروری ہونے میں راز کیا ہے؟

دوم: معراج کی حقیقت کیا ہے؟

سوم: معراج کی حکمت کیا ہے؟

چہارم: معراج کے فوائد و ثمرات کیا ہیں؟

پہلی بنیاد

معراج کی ضرورت کا راز

مثال کے طور پر کہا جاتا ہے کہ: اللہ تعالیٰ ﴿اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ﴾ ہے، اور وہ ہر چیز کے ہر چیز سے زیادہ قریب ہے، اور وہ جسم اور مکان سے منزہ ہے، اور ہر ولی اپنے قلب کے باطن میں اس کے ساتھ مل سکتا ہے؛ تو ولایتِ محمدیہ کو مناجات کرنے میں جو کامیابی ملی وہ معراج جیسی طُول طویل سیاحت کے بعد کیوں ملی، جبکہ ہر ولی اپنے دل میں اس مناجات کے مرتبے پر فائز ہو جاتا ہے؟

الجواب: اس گہرے راز کو ہم دو مثالوں کے ذریعے ذہن کے قریب کرتے ہیں۔۔۔ ان دو مثالوں کو غور سے سنو، اور یہ دونوں مثالیں اعجاز القرآن اور معراج میں پائے جانے والے راز کے بارے میں بارھویں مقالے میں ذکر کی گئی ہیں:

پہلی مثال

کسی بھی حکمران کے مکالمے، مصاحبت اور ملاقات کے دو طریقے، اور خطاب، گفتگو اور توجہ والتفات کے دو انداز ہوتے ہیں:

پہلا طریقہ: اُس کی اپنی رعایا کے کسی عام آدمی کے ساتھ کسی جزوی امر میں اور خصوصی

ضرورت کے تحت اپنے خصوصی ٹیلیفون کے ذریعے گفتگو۔۔۔

دوسرا طریقہ: اُس کی وہ بات چیت جو کہ سلطنتِ عظمیٰ کے عنوان سے، خلافتِ کبریٰ کے نام سے اور حاکمیتِ عامہ کی حیثیت سے ہوتی ہے۔ یہ گفتگو کسی ایسے بلند شان اور باوقار امر کے ذریعے ہوتی ہے جس سے اس کے جاہ وجلال اور شان وشوکت کا اظہار ہوتا ہے۔ اِس سے مقصد اس کے اوامر کو سلطنت کے تمام علاقہ جات میں پہنچانا ہوتا ہے۔ اور پھر یہ کہ یہ گفتگو اس کے کسی ایسے سفیر، نمائندے یا بڑے ملازم کے ذریعے ہوتی ہے جس کا اُن امور کے ساتھ تعلق یا مناسبت ہوتی ہے۔۔۔

اور یوں اس مثال کی طرح _وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْأَعْلٰی_ اِس کائنات کے خالق، مالکُ الملک والملکوت اور حاکمُ الازل والابد کے گفتگو کرنے، ہمنشینی اور التفات کرنے کے دو طریقے ہیں:

ایک: جزئی اور خاص

دوسرا: کلی اور عام

پس معراجِ نبوی ولایتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کا ایک ایسا مظہر ہے جو کہ کلی صورت میں ظاہر ہوا ہے اور تمام تر قسم کی ولایات پر فوقیت رکھتا ہے؛ کیونکہ یہ حق تعالیٰ کے ساتھ اس کے تمام موجودات کے خالق کے عنوان سے اور تمام کائنات کے پروردگار کے نام سے ہمنشینی، گفتگو اور سرگوشی سے مشرف ہونے کا نام ہے۔۔۔

دوسری مثال

ایک آدمی کے ہاتھ میں آئینہ ہے، اُس نے وہ آئینہ سورج کے سامنے کیا ہوا ہے، یہ آئینہ اپنی وسعت اور مقدار کے مطابق سورج سے عکس اور سات رنگوں پر مشتمل روشنی اَخذ کرتا ہے۔ اب یہ آدمی اس آئینے کی نسبت سے سورج کے ساتھ ایک قسم کے تعلق کا حامل

ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ اس آئینے کا رُخ اپنے تاریک کمرے یا اپنی خصوصی مسقّف کیاری کی طرف کرے تو اس سے استفادہ بھی کر سکتا ہے، صرف اتنا ہو گا کہ اس کا یہ استفادہ سورج کے حجم یا اس کی روشنی کے حساب سے نہیں ہو گا بلکہ اس آئینہ کی قابلیت کے لحاظ سے ہو گا جو وہ سورج سے منعکس کر رہا ہے۔۔۔

ایک آدمی اور ہے، یہ آئینے کو ایک طرف کر کے براہِ راست سورج کے سامنے آجاتا ہے، اس کی ہیبت اور جاہ و جلال کا مشاہدہ کرتا ہے اور اُس کی عظمت کو سمجھتا ہے، پھر ایک بہت اونچے پہاڑ پر چڑھ جاتا ہے اور اس کی وسیع ترین سلطنت کی ضیا باریوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے، اور اس کا سامنا ذاتی طور پر بلا حجاب کرتا ہے، پھر وہ واپس لوٹتا ہے اور اپنے چھوٹے سے گھر یا اپنی مسقّف کیاری کی کھڑکیاں چوپٹ کھول دیتا ہے اور آسماں پر چمکتے ہوئے سورج کی جانب دیکھنے کے راستے صاف کر دیتا ہے، اور شمسِ حقیقی کی دائمی روشنی کی ہمنشینی کا لُطف لیتا ہے اور اس کے ساتھ گفتگو کرتا ہے، اور اس کے ساتھ اُس کا ممنون اور سپاس گزار ہونے کے انداز سے سرگوشیاں بھی کر سکتا ہے، اور وہ یوں کہ اُسے کچھ اس طرح سے کہے کہ: ''اے ناز پیشہ خورشید عالمتاب! اے زمین کے گُلِ خنداں اور آسمان کے ناز بردار و راہنما! اپنی روشنی کے ساتھ سطحِ زمین کو زربار کرنے والے اور چہرہ زمیں اور تمام گل ہائے زمیں کو ہنسی اور شگفتگی بخشنے والے! تُو نے مجھے گرمی دی ہے اور میرے اس چھوٹے سے گھر اور چھوٹی سی کیاری کو ضیا بخشی ہے، ایسے ہی جیسے کہ تو نے تمام دنیا کو ضیا اور تمام روئے زمین کو گرمی بخشی ہے۔۔۔''

یاد رہے کہ پہلا آئینے والا آدمی جو ہے اس طرح کی گفتگو نہیں کر سکتا ہے، اُس کی وجہ یہ ہے کہ سورج کے عکس کے آثار اُس آئینے کی قید میں اور اس قید کے حساب سے محدود و محصور ہیں۔۔۔

اور یوں ذاتِ اَحدُ الصمد، شمس الازل اور سلطانُ الابد کی تجلی کا انسانی ماہیت کے لیے دو صورتوں میں مظاہرہ ہوتا ہے، اور وہ دونوں صورتیں بلا حد و حساب مراتب پر مشتمل ہیں۔۔۔

پہلی صورت: یہ مظاہرہ ربانی بندھن اور اس کی طرف نسبت کے ذریعے دل کے آئینے میں ہوتا ہے، اِس طرح کہ ہر انسان اُس شمسِ اَزلی کے نور کا اور اس کے ساتھ ہمنشینی، ہمکلامی، گفتگو اور سرگوشی کا مظہر ہے، برابر ہے کہ یہ چیز اُس کی استعداد کے حساب سے، مراتب کے طے کرنے میں سیر و سلوک کے مطابق اور اسما و صفات کی تجلیات کے حساب سے جزئی ہو یا کُلی؛ کیونکہ اسما و صفات کے سائے میں چلنے میں اکثر ولایات کے درجات اسی قِسم سے پھوٹتے ہیں۔۔۔

دوسری صورت: بے شک اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی تجلّی کا مظاہرہ نوعِ انسانی کے سب سے بڑے معنوی فرد کے لیے ہوتا ہے، یہ اُس کی ذاتی تجلی ہوتی ہے اور اس کے اسمائے حسنیٰ کے سب سے بڑے مرتبے کے ذریعے ہوتی ہے، اس بنا پر کہ انسان اسمائے حسنیٰ کی ان تجلیات کو جو کہ تمام کائنات میں جلوہ ریز ہیں، اپنی روح کے آئینے میں بیک وقت ظاہر کرسکتا ہے، کیونکہ انسان کائنات کا روشن ترین پھل ہے اور اِس کی ہستی میں بڑی جامعیت پائی جاتی ہے۔

پس یہ مظاہرہ اور یہ تجلی معراجِ محمدی کا راز ہے جس کی رُو سے آپ کی ولایت آپ کی رسالت کا سر آغاز ہوگی۔ پس ولایت جو کہ سائے میں چلتی ہے دوسری تمثیل میں بیان کیے گئے پہلے آدمی کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے۔ جبکہ رسالت میں ظِل یا سایہ نہیں ہوتا بلکہ رسالت کا رُخ براہِ راست ذات کی احدیت کی طرف ہوتا ہے، اور وہ دوسری تمثیل میں بیان کیے گئے دوسرے آدمی کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے۔

لیکن معراج چونکہ ولایت محمدیہ علیہ الصلوۃ والسلام کی کرامتِ کُبریٰ اور اُس کا مرتبہ عُلیا ہے، اس لیے مرتبہ رسالت پر براجمان ہے۔

پس معراج کا باطن ولایت ہے، اس لیے آپ مخلوق سے حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف گئے۔اور معراج کا ظاہر رسالت ہے، اس لیے آپ حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے مخلوق کی طرف آتے ہیں۔۔۔

پس ولایت مراتب قرب میں سلوک کا نام ہے اور بہت سے مراتب کو طے کرنے کی اور کافی سارے وقت کی محتاج ہے۔

لیکن رسالت نورِ اعظم ہے، چنانچہ اس کی نظر اقربیتِ الٰہیہ کے راز کے انکشاف پر ہوتی ہے، بنابریں اس کے لیے ایک آنِ سیال یا لمحۂ گُوراں ہی کافی ہوتا ہے، اسی وجہ سے حدیث شریف میں آیا ہے کہ: ''آپ V آنِ واحد میں گئے اور واپس آ گئے''۔۔۔

اب ہم اپنی اس بات کے سُننے والے ملحد سے کہتے ہیں: یہ کائنات چونکہ ایک غایت درجے کی منظّم مملکت، ایک غایت درجے کا محتشم شہر اور نہایت درجے کا آراستہ و پیراستہ محل کی طرح ہے، تو پھر اس کا کوئی حاکم، کوئی مالک اور صانع بھی لازمی ہے، اور جب ایسا صاحبِ حشمت مالکِ جلیل، حاکمِ کامل، صانعِ جمیل موجود ہو اور جب کلی نظر کا حامل انسان موجود ہو جو کہ اس تمام کائنات کے ساتھ، اس مملکت کے ساتھ، اِس شہر کے ساتھ اور اس محل کے ساتھ اپنے عمومی حواس واحساسات کے ذریعے مناسب تعلقات بھی رکھتا ہو، تو پھر یہ ضروری ٹھہرا کہ اُس شان وشوکت والے صانعِ محتشم اور اُس کلی نظر اور عمومی شعور کے حاملِ انسان کے مابین بلند پایہ اور عظیم الشان مناسبت پائی جائے، اور اُس کی طرف سے اس انسان کو قُدسی خطاب اور عالی توجہ سے نوازا جائے۔

اور وہ لوگ جو آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک اِس مناسبت کے مظاہر ہوئے ہیں

اور جو اس شرف سے مشرف ہوئے ہیں، اُن لوگوں کے مابین چونکہ محمد عربی V نے ہی اس مناسبت کو عظیم ترین مرتبے میں آشکار کیا ہے، جیسا کہ آپ V کے آثار گواہی دیتے ہیں، یعنی جیسے کہ آپ V نے کرۂ ارضی کے نصف اور نوعِ انسانی کے پانچویں حصے کو اپنے دائرہ تصرف میں منحصر کر لیا ہے اور کائنات کی معنوی شکل و صورت کو تبدیل کر کے اُسے منور کر دیا ہے؛ اس لیے معراج جو کہ اس تعلق یا مناسبت کا بلند ترین مرتبہ ہے، آپ V کے سب سے زیادہ لائق، شایانِ شان اور موزوں ترین ہے۔۔۔

دُوسری بنیاد

معراج کی حقیقت کیا ہے؟

الجواب: معراج درحقیقت اس سیر و سلوک کا نام ہے جو ذاتِ محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کمالات کے مراتب کے سلسلے میں طے کیا، مطلب یہ کہ حق تعالیٰ نے اپنے اُس خصوصی بندے کو براق پر سوار کر کے اُسے آسمانوں کی سیر کرائی اور اس سے یہ مراتب بجلی کی سی سُرعت میں طے کروا دیے، اور اسے دائرہ بہ دائرہ اور منزل بہ منزل ربوبیت الٰہیہ سے آگاہ کر دیا، بالکل ایسے جیسے کہ چاند منزلیں طے کرتا ہے۔ پھر اُس نے ایک ایک کر کے ان دائروں کے آسمانوں میں اُس کی اُس کے تمام انبیاء بھائیوں کے ساتھ علیحدہ علیحدہ ملاقات کرائی اور ان کے مقامات سے روشناس کرایا، حتیٰ کہ اُسے "قابَ قوسین" کے مقام پر لے گیا اور اُسے اپنے ساتھ ہم کلامی کا اور اپنے دیدار کا ایک ایسا مظہر بنا دیا کہ جس میں وہ یگانہ ہو یکتا ہے کوئی بھی دوسرا اُس کے برابر نہیں۔ غرض اس سے یہ تھی کہ وہ اپنے اُس بندے کو ایک ایسا بندہ بنا دے جس میں تمام انسانی کمالات جمع ہوں، جو تمام تجلیاتِ الٰہیہ کا مظہر ہو، جو کائنات کے تمام طبقات پر نگاہ رکھنے والا ہو، ربوبیت کی سلطنت کا رہنما ہو، مرضیاتِ الٰہیہ کا مبلّغ ہو اور جو کائنات کے طلسم سے پردہ سرکانے والا ہو۔۔۔ اُس نے اپنے اِس برگزیدہ

بندے کو اس مقام پر اس طرح فائز کیا کہ اُسے اپنی ربوبیت کی وہ تمام نشانیاں ایک ایک کر کے دکھادیں جو اُس نے تدبیر و ایجاد کے تمام دائروں میں ظاہر کی ہیں، جن کی تشکیل اُس نے اپنی ربوبیت کی سلطنت میں کی ہے، اور جن کا اظہار اُس نے آسمان کے اُس طبقے میں کیا ہے جو کہ ربوبیت کے عرشوں کا اور اُن دائروں میں تصرف کے مرکزوں کا دارومدار ہے، اور جن کا اظہار اُس نے اُن مختلف اسماو عناوین کے ساتھ کیا ہے جن کی جلوہ گری اُس نے مخلوقات کی ترتیب میں کی ہے۔۔۔

اِس بلند پایہ حقیقت کو دو تمثیلوں کی دوربین سے دیکھا جا سکتا ہے:

پہلی تمثیل: ایک حکمران کے اپنی حکومت کے مختلف اِداروں میں مختلف عناوین، اس کی رعایا کے طبقات میں متغایر اَوصاف اور اُس کی سلطنت کے مراتب میں متنوع اسماو علامات ہوتی ہیں، مثال کے طور پر: عدالتی نظام میں اس کا نام حاکمِ عادل، شاہی اداروں میں اس کا نام سُلطان، عسکری اداروں میں سپہ سالارِ اَعلیٰ اور علمی اداروں میں اُسے خلیفہ کہا جاتا ہے، اور یوں اس کے بہت سے نام، اَسما اور عنوان ہوتے ہیں۔۔۔ اور ہر ادارے اور ہر محکمے میں اس کا ایک مقام اور کرسی ہوتی ہے جو کہ اس کے لیے معنوی تخت کا حکم رکھتی ہے، اِس بنا پر ممکن ہے کہ وہ اکیلا سلطان اُس سلطنت کے مختلف اداروں میں اور حکومت کے طبقات کے مختلف مراتب میں ایک ہزار اسماو عناوین کا مالک ہو جائے، اور یہ کہ اس کے ایک دوسرے میں متداخل ایک ہزار تخت ہائے سلطنت ہوں، گویا کہ وہ حکمران اپنی معنوی شخصیت کی حیثیت سے اور ٹیلیفون کے ذریعے ہر ادارے میں موجود اور حاضر ہے اور ہر شے کا علم رکھتا ہے، اور اپنے قانون، نظام اور نمائندے کے ذریعے ہر طبقے پر نظر رکھتا ہے اور وہاں موجود نظر آتا ہے، اور اپنے حکم، علم اور قوت کے ذریعے ہر مرتبے کا پردے کے پیچھے سے نظم و نسق چلاتا ہے اور اس کی نگرانی کرتا ہے، اور ہر دائرے کا ایک علیحدہ مرکز اور علیحدہ منزل ہے جس

کے احکام مختلف اور طبقات متغایر ہیں، جیسے کہ چوبیسویں مقالے میں وضاحت کی گئی ہے۔۔۔

پس ایسا سلطان جس شخص کو چاہے اپنے ان تمام دائروں کی سیر کراتا ہے اور اُن میں گھماتا پھراتا ہے، اُسے اپنی شاہی سلطنت دکھاتا ہے اور ہر دائرے کے ساتھ تعلق رکھنے والے خصوصی اوامر کا نظارہ کراتا ہے، چنانچہ اُسے ایک دائرے سے دوسرے دائرے اور ایک طبقے سے دوسرے طبقے تک گھماتا پھراتا ہے، تا آنکہ اُسے اپنے مقامِ حضور تک لے جاتا ہے اور پھر اُسے ان دائروں کے ساتھ تعلق رکھنے والے بعض کُلی اور عمومی اوامر دے کر اپنا نمائندہ بنا کر رخصت کر دیتا ہے۔۔۔ پس اس مثال کی روشنی میں سمجھو کہ:

اُس سلطانُ الازل، ربُّ العالمین کے اُس کی ربوبیت کے مراتب میں مختلف اسماو احوال ہیں لیکن ان میں سے بعض کی نظر بعض پر ہوتی ہے، اور اُس کے اُس کی اُلوہیت کے دائروں میں متغایر اسما و علامات ہیں لیکن وہ سب ایک دوسرے میں دکھائی دیتی ہیں، اور اُس کی پُر حشمت کارروائیوں میں باہم دگر متخالف تجلیات و جلوات ہیں لیکن وہ ایک دوسرے کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں، اور اُس کی قدرت کے تصرفات میں متعدد عناوین ہیں لیکن وہ ایک دوسرے کو شعور دیتے اور احساس دلاتے ہیں، اور اس کی صفات کی تجلیات میں متغایر مقدس ظہور ہیں، لیکن وہ ایک دوسرے کو ظاہر کرتے ہیں، اور اس کے افعال کی جلوہ گریوں میں متنوع قسم کے تصرفات ہیں لیکن وہ ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں، اور اُس کی صنعت اور رنگا رنگ مصنوعات میں انوار و اقسام کی پُر حشمت ربوبیتیں ہیں لیکن وہ ایک دوسرے کی طرف ٹکٹکی لگا کر دیکھتی ہیں۔۔۔ اب اس عظیم الشان راز کی بنا پر یہ سمجھو کہ اُس نے اس کائنات کے نظم و ضبط کو ایک ایسی ترتیب کے حساب سے منظم کیا ہے جو کہ موجب حیرت ہے، اور وہ اس طرح کہ مخلوقات کے سب سے چھوٹے یعنی ذرّات کے طبقے سے لے کر

آسمانوں تک۔۔۔آسمانوں کے پہلے طبقات سے لے کر عرشِ اعظم تک، آسمانوں کو ایک دوسرے کے اُوپر استوار کیا گیا ہے، اور ان میں سے ہر آسمان ایک دوسرے عالم کی چھت کا حکم رکھتا ہے، ربوبیت کے عرش کی طرح ہے اور تصرفاتِ الٰہیہ کا مرکز ہے۔

اور باوجود اس کے کہ یہ ممکن ہے کہ احدیت کے اعتبار سے یہ تمام اسما اِن دائروں اور طبقوں میں پائے جائیں اور تمام عناوین کے ساتھ جلوہ گر ہوں، لیکن جس طرح کہ عدلیہ کے ادارے میں حاکم کا نام ''حاکمِ عادل'' کے عنوان سے چلتا ہے اور بقیہ تمام عنوان اس کے تابع اور زیرِ فرمان ہوتے ہیں، اسی طرح مخلوقات کے ہر طبقے میں اور ہر ایک آسمان اللہ کا کوئی نہ کوئی نام یا عنوان حکمران ہے اور بقیہ عناوین اس کے ضمن میں ہوتے ہیں، مثال کے طور پر عیسیٰ علیہ السلام جو کہ اسم ''القدیر'' کا مظہر ہیں، جس آسمان پر بھی نبی ﷺ کے ساتھ ملاقات کریں گے حق تعالیٰ وہاں اس آسمان کے دائرے میں ذاتی طور پر ''القدیر'' کے عنوان سے جلوہ گر ہوگا۔ اور اُس آسمان کے دائرے میں جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقام ہے ''المتکلّم'' کے عنوان کی حکمرانی ہوگی، کہ موسیٰ علیہ السلام اس کے مظہر تھے۔۔۔اور یوں رسولِ اعظم V کو چونکہ اسم اعظم ملا ہے اور آپ V کی نبوت چونکہ عمومی اور ہمہ گیر ہے، اور آپ V اَسمائے حسنیٰ کی تمام تر تجلیات سے بہرہ ور ہیں؛ اس لیے آپ V کا تعلق ربوبیت کے تمام دائروں کے ساتھ ہے۔

اس لیے آپ V کی معراج کی حقیقت کا ضروری تقاضا یہ ہوا کہ آپ V کی ملاقات اُن انبیاء کے ساتھ ہو جو اُن دائروں میں اصحابِ مقام ہیں۔ اور یہ تقاضا بھی ضروری ہوا کہ آپ V کا گزر اُن تمام طبقات سے ہو۔۔۔

☆☆☆☆☆

کیمبل پور کی تہذیبی زندگی کا مرقع

ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد

گزرے ہوئے زمانوں کے نقش و نگار اور بیتی گھڑیوں کے احوال کو تمام تر تفصیلات اور جزئیات کے ساتھ حیطۂ خیال میں لانا اور لفظوں کے پیکر میں ڈھالنا انتہائی مشکل اور ایک لحاظ سے ناممکن کام ہے، چوں کہ زندگی کا ہر لمحہ کیف ساماں اور جلوہ بہ داماں ہوتا ہے۔ اس لیے اس کے متنوع رنگوں کو الفاظ کے قالب میں مقید کرنا ''مٹھی میں ہوا کو تھامنے'' کے مترادف ہے۔ اس مشکل کے باوجود اربابِ فکر و خیال اور اصحابِ قرطاس و قلم عمرِ رفتہ کو آواز دے کر سفرِ زیست کے چنیدہ واقعات سے گزرے زمانوں کی خوشبو کشید کر لیتے ہیں۔ یہ خوشبو ان کے خوابوں، خیالوں، جذبوں، آرزوؤں، راحتوں اور تکلیفوں کی داستان سناتی ہے اور کارزارِ حیات میں ان کی کامیابیوں اور ناکامیوں کا احوال بیان کرتی ہے۔ انسان چوں کہ معنیٔ دیریاب ہے اس لیے اس کے باطن کی بھید بھری دنیا دوسروں پر پوری طرح منکشف نہیں ہوتی، وہ اپنے باطن کا خود ہی ترجمان اور شارح ہوتا ہے۔ اس لیے وہ اپنے بارے میں زیادہ سچ لکھنے اور بیان کرنے کی صفت و صلاحیت رکھتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اہلِ علم و ادب نے رودادِ حیات کو قلم بند کرنے اور سفرِ زیست کے اہم تر حالات و واقعات کی جمع آوری کے لیے آپ بیتی یا خودنوشت کے پیمانے کو استعمال کیا ہے۔

خودنوشت یا آپ بیتی کا پیمانہ اپنی وسعت اور کشادگی کے باوجود کسی انسان کی زندگی کو بہ تمام و کمال پیش کرنے کا دعویٰ کرسکتا کیوں کہ زندگی کی بوقلمونی اس تنگ نائے

میں سما ہی نہیں سکتی۔ ارباب ہنر اور صاحبانِ فن اپنے تمام تر علم و فضل اور مہارت و دستگاہ کے اپنی ہی کیفیات کو بعینہٖ بیان کر دینے پر قادر نہیں ہو سکتے۔ یہ مشکل اس وقت دو چند ہو جاتی ہے جب لکھنے والا اپنے ساتھ ساتھ زمانے کو بھی رواں دواں دکھانے کا جتن کرتا ہے۔ وہ اپنے اردگرد سانس لیتی زندگی کو الفاظ کی حریم میں کھینچ لانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی کوششیں، اس کی کاوشیں، اُس کی ہنرمندیاں اور اس کی معجز بیانیاں پورے رنگوں کے ساتھ جیتی جاگتی زندگی کو پیش کرنے سے عاجز و قاصر رہتی ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں لفظ گنگ ہو جاتے ہیں۔ اظہار و بیان کے قرینے جواب دے جاتے ہیں اور لکھنے والا کسی تصویر کی ایک جھلک، کسی منظر کی ادھوری شبیہ اور کسی کردار کی ہلکی سی پرچھائیں کو لفظوں کا لباس پہنانے میں کامران ٹھہرتا ہے۔

صاحبو! یہ کامرانی معمولی نہیں، یہ آدھی ادھوری تصویریں آنکھوں میں خوب روشن کرتی ہیں، دل کے آنگن میں بہاریں اُتار لاتی ہیں اور ذہن کے دریچوں کو رنگ و نور کے نئے ذائقوں سے معمور کر دیتی ہیں۔

کیمبل پور...... پنجاب اور سرحد کے سنگم پر آباد یہ چھوٹی سی بستی، کتنے دلوں کی دھڑکن، کتنی آنکھوں کا خواب، کتنی سانسوں کا زیر و بم اور کتنے سینوں کا سوز و ساز ہے، بہ قولِ حافظِ شیراز:

ہزار نقش برآید ز کلکِ صنع و یکے
بہ دل پذیریِ نقشِ نگارِ ما نہ رسد

زمینیں ساری خوب صورت ہوتی ہیں، علاقے سارے جاذبِ نگاہ مگر کیمبل پور کی مٹی میں ایک خاص نوع کی تاثیر گندھی ہوئی ہے۔ یہ تاثیر محض اس خاک سے اٹھنے والوں کے دل و نگاہ کی دنیا کو اپنا اسیر نہیں کرتی بلکہ مسافروں اور راہروؤں کے قدم بھی روک لیتی

ہے۔ یہ وہ چمن زار ہے جس سے گزرنے والا خوشبو کی سوغات لیے بغیر نہیں گزر سکتا۔ یہ خوشبو نرالی ہے، یہ اندر کے موسموں کو اس طرح تبدیل کرتی ہے کہ مسافر اور زائر کو ترکِ سفر کیے بنا کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ وہ پھر جہاں بھی رہے کیمبل پور کی چار دیواری سے باہر نہیں نکل سکتا۔ احمد ندیم قاسمی، سید ضمیر جعفری، شفقت تنویر مرزا، سید عبدالباقی، کمانڈر ظہور احمد، اشفاق علی خان، نذر صابری، پروفیسر محمد عثمان، شریف کنجاہی، منو بھائی، فتح محمد ملک، شورش ملک، ماجد صدیقی اور کتنے اصحابِ قرطاس وقلم کیمبل پور سے گزرے تھے کہ زندگی بھر کے لیے اس کی زلفِ گرہ گیر کے اسیر ہو کر رہ گئے۔ ان کی باتوں میں کیمبل پور کا ذائقہ بس گیا تھا، اُن کی تحریروں میں اس مٹی کی سوندھی خوشبو رقص کرنے لگ گئی تھی، اس بستی کی یاد ان کا اثاثہ اور اس کی محبت ان کا سرمایہ ٹھہری۔ ماجد صدیقی مرحوم نے کہا تھا:

اُن دنوں اس خاک پر بارش تھی جیسے نور کی
آنکھ کا سرمہ بنی تھی ریت کیمبل پور کی

جو افراد اس مٹی کی کوکھ سے ابھرے، ان کے جذب وشوق کی دنیا ہی اور ہے۔ دیوندر اسر زندگی بھر خوشبو بن کر اس چمن زار میں لوٹنے کا تمنائی رہا، کیمبل پور کی یاد اس کی کہانیوں، اس کے ناولوں اور اس کی باتوں میں رس گھولتی رہی، اس نے دہلی میں کیمبل پور بسائے رکھا۔ کیمبل پور کے باسی جہاں جہاں رہے وہاں وہاں کیمبل پور آباد رہا۔ پروفیسر قاضی وجاہت اشرف ان خوش نصیبوں میں شامل ہیں جنھیں بہت دیر اس خوابوں کی بستی سے ہم کلام رہنے کا موقع ملا ہے۔ وہ اس خاک سے ابھرے، اسی فضا میں پلے بڑھے، اسی ماحول میں ان کی تعلیم وتربیت ہوئی اور پھر اسی بستی کے طلبہ کی تراش خراش کا انھیں شرف ملا۔ انھیں کچھ مختصر وقفوں کے لیے اس شہر کی حریم سے نکلنا پڑا مگر زادِ سفر میں کیمبل پور ان کے ساتھ ساتھ رہا۔ وہ نائجیریا میں رہے یا لاہور میں کیمبل پور کی فضا میں ہی سانس لیتے

رہے۔ آج کل وہ پنڈی میں سبک دوشی کی زندگی گزار رہے ہیں مگر ان کی دھڑکنوں میں اب بھی کیمبل پور مچلتا ہے اور اس کا ثبوت ان کی یہ تازہ کتاب ہے۔

''میرا کیمبل پور'' نہ تو قاضی صاحب کی خودنوشت ہے اور نہ اس بستی کی تاریخ۔ یہ دل کش یادوں کا مرقع اور خوش نما تصویروں کا البم ہے۔ ان تصویروں میں کیمبل پور کی تہذیب و ثقافت، اپنی جلوہ سامانیوں کے ساتھ موجود ہے۔ ہر تصویر روشن روشن اور اُجلی اُجلی۔ ہر منظر نکھرا نکھرا اور دل کش۔ کوئی تصویر بھی ساکت و جامد نہیں۔ کوئی مرقع بے جان نہیں۔ کوئی منظر خاموش نہیں، جیتے جاگتے کردار، ہستی بستی گلیاں، کلام کرتے ہوئے بازار، حیران کرتی ہوئی عمارتیں اور خوشبوئیں بکھیرتا چمن زار ہر تصویر کے بدن میں روح کی طرح موج زن ہے۔ یہ محض ایک فرد کے حیات نامے کے مناظر نہیں کیمبل پور کے طلسماتی رنگوں کا اظہار یہ ہے۔ اس مختصر سی کتاب میں کیمبل پور کی گلیاں، بازار، تعلیمی ادارے، عمارتیں، دل چسپ کردار، اساتذہ، کھیلیں، پہناوے، رسمیں، رواج، موسم، عیدیں، میلے اور گنگناتے منظر محفوظ کر کے قاضی صاحب نے خوابوں کی اس سرزمین کے ساتھ اپنی غیر معمولی وابستگی اور دل بستگی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ اس کتاب کے سبھی واقعات خالص، کردار اصلی، منظر حقیقی اور تصویریں سچی ہیں۔ ان میں تکلف اور بناوٹ کا رنگ ہے نہ تصنع اور مصنوعیت کا غازہ۔

پروفیسر وجاہت اشرف قاضی نباتیات کے استاد اور سائنس کے طالبِ علم ہیں۔ وہ معروف معنوں میں ادیب اور قلم کار نہیں۔ اظہار کے قرینوں سے واقف نہ بیان کے پیرائیوں کے ماہر، نہ تشبیہ و استعارہ کی رمزیت سے آگاہ اور نہ مبالغہ کے وصف سے آشنا۔ بہ ایں ہمہ ان کی یہ مختصر سی کتاب قاری کی توجہ کو ادھر اُدھر نہیں ہونے دیتی۔ بیان کی سادگی اپنے دامن میں ایسی کشش رکھتی ہے کہ رنگیں بیانی شرمندہ ہو جائے۔ اس کتاب میں بیان

کی سادگی کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔ بعض مرقعے تو اتنے جاذب نظر اور دل کش ہیں کہ انھیں بار بار پڑھنے کو دل چاہتا ہے۔ ان میں کسی تکنیک اور ہنر کا سہارا نہیں لیا گیا محض حسنِ سادہ نے ان کو رعنائی اور زیبائی عطا کی ہے۔ قاضی صاحب نے نادرن پنجاب ٹرانسپورٹ سروس کے بس ڈرائیور، پھل شاہ، مہرا بابا، بابا حلوہ، حمید پہلوان اور شاہ بابا کے مرقعے اتنی خوبصورتی سے بنائے ہیں کہ یہ کردار واقعی چلتے پھرتے دکھائی دینے لگے ہیں اور قارئین کو پڑھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا جیسے وہ ان سب لوگوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ ادب کا کمال اور ادیب کی کامرانی اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ لفظ اپنے پڑھنے والوں پر وہ کچھ منکشف کر دیں جن سے لکھنے والا سرشار ہے۔

قاضی وجاہت اشرف صاحب کی اس کتاب کی سب سے بڑی خرابی یا خامی اس کا حد سے بڑھا ہوا اختصار اور اجمال ہے۔ وہ چوں کہ سائنس کے آدمی ہیں اس لیے ممکن ہے کہ سائنس کی دنیا میں اختصار پسندی کو اعتبار حاصل ہو مگر ادب اور محبت کی اقلیم میں حدیثِ یار کا موضوع اختصار اور اجمال کا نہیں طوالت اور پھیلاؤ کا متقاضی ہے۔ مجھے امید ہے کہ مصنفِ گرامی کتاب کے نقشِ ثانی کو اس عیب سے بچانے کا جتن کریں گے کیوں کہ:

سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم
بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے

☆☆☆

''رسائل نور'' استاذ بدیع الزمان سعید نورسیؒ کے تالیف کردہ ایمان افروز رسائل کا مجموعہ ہے۔ استاذ بدیع الزمان سعید نورسیؒ مشرقی ترکی کے گاؤں نورس میں ۱۸۷۸ء میں پیدا ہوئے۔ علماء نے انہیں ان کی خداداد صلاحیتوں کی بناء پر نوجوانی میں ہی ''بدیع الزمان'' یعنی یگانہ روزگار کا لقب دیا۔

آج ترکی میں جو مثبت تبدیلی اور مادی و معنوی ترقی ہمیں نظر آ رہی ہے وہ انہی رسائل کی برکت اور ان کے پڑھنے والوں کی محنت سے ممکن ہوئی ہے۔ طلاب نور نے اس عظیم امانت کو پورے عالم اسلام بلکہ پوری انسانیت تک پہنچانے کے لیے دنیا میں بولی جانے والی مختلف زبانوں میں ان کا ترجمہ کروانے کا بیڑا اٹھایا، اسی سلسلے میں پاکستان کے اندر رسائل نور فاؤنڈیشن (رجسٹرڈ) کے نام سے ایک ادارے کا قیام عمل میں لایا گیا ہے تاکہ ان رسائل کا اردو میں ترجمہ کر کے اہل پاکستان تک اس نورانی پیغام کو پہنچایا جا سکے اور لوگ اس سے اکتساب فیض کر سکیں۔ استاذ بدیع الزمان سعید نورسیؒ کی درج ذیل کتب اردو میں ترجمہ ہو کر شائع ہو چکی ہیں اور مزید پر کام جاری ہے۔

QINDEEL E SULEMAN

6
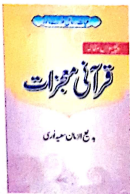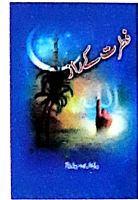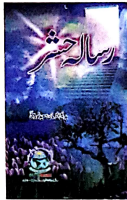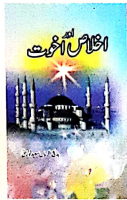
مرقدِ انور حضرت خواجہ ابراھیم بن ادھمؒ ۔ شام
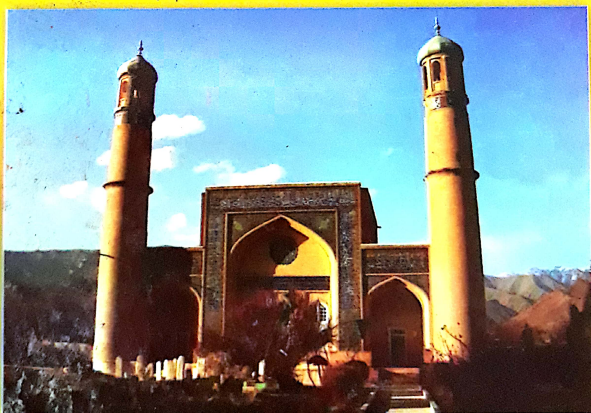
خانقاہِ معلّٰی حضرت خواجہ مودودؒ چشت ۔ ہرات ۔ افغانستان